معراج النبی

علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501

مؤسس انجمن خدام القرآن جناب ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی اپنی دلی خواہش اور جدوجہد کے تقاضوں کے عین مطابق' مرحوم کے تمام قانونی وارثین ہر مسلمان کو ڈاکٹر صاحبؒ کی طبع شدہ تصنیفات/ تالیفات' آڈیوز' ویڈیوز کو طبع/ تیار کر کے شائع کرنے کی کھلی اجازت دیتے ہیں (چاہے قیمتاً ہو یا مفت تقسیم) اور اس کے لیے کسی پیشگی اجازت کی ضرورت نہیں۔ ہمارا کسی قسم کی رائلٹی یا ''محفوظ حقوق'' کا تقاضا بھی نہ ہے اور نہ ہوگا' البتہ تیار کردہ مواد (آڈیوز یا ویڈیوز) اور کتب کے چند نسخے ہمارے ریکارڈ کے لیے بھیج دیے جائیں تو ممنون ہوں گے۔ تاہم ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی ناپسندیدہ کوشش مثلاً تبدیلی الفاظ' غلط اقتباس' سیاق وسباق سے الگ کر کے جملے کا حوالہ یا اس کا ایسا استعمال جس سے ڈاکٹر صاحب مرحوم اور ہمارے موقف کی صحیح ترجمانی نہ ہو اور جس سے ہماری عزت وشہرت پر حرف آئے' تو ہم اس شخص کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا مکمل حق محفوظ رکھتے ہیں۔

نام کتاب ——— معراج النبی ﷺ

طبع اول تا دہم (مارچ 1984ء تا جون 2016ء) ——— 23,000

طبع 11 (اپریل 2018ء) ——— 1100

ناشر ——— ناظم نشر واشاعت' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت ——— 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون: 35869501-3

مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور

قیمت ——— 30 روپے

email:publications@tanzeem.org
website:www.tanzeem.org

ترتیب

- عرضِ ناشر 4
- پیش لفظ 5
- واقعہ معراج کی حقیقت واہمیت 7
- سفرِ معراج کی غرض وغایت 9
- روایاتِ معراج میں اختلاف کی حقیقت 13
- سفرِ معراج کی عقلی توجیہہ 15
- آیہ اسراء کی تشریح وتوضیح 16
  - ☆ عبدیت ورسالت میں فرقِ مراتب 18
  - ☆ چند وضاحت طلب پہلو 22
- واقعہ معراج — حدیثِ نبویؐ کے آئینے میں 24
- سورۃ النجم میں مشاہداتِ معراج کا ذکر 29
  - ☆ معراج اور رؤیتِ باری تعالیٰ 31
  - ☆ ''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی'' کا مفہوم 34
- حدیثِ معراج کا تسلسل 35
  - ☆ اُمت کے لیے معراج کے تحفے 37
- مشرکین کا ردِّ عمل 39
- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق 41
- واقعہ معراج سے متعلق احادیث اور آثارِ صحابہؓ 43

عرضِ ناشر

(طبع ہشتم)

زیرِ نظر کتابچے کا پہلا ایڈیشن مارچ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا۔ جیسا کہ اس کتابچے کے ''پیش لفظ'' میں مذکور ہے' یہ فی الاصل ''واقعہ معراج'' کے موضوع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کا ایک خطاب ہے' جسے ہمارے قابلِ احترام بزرگ شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم و مغفور نے مرتب کر کے اولاً ماہنامہ ''میثاق'' میں اور پھر کتابچے کی صورت میں شائع کیا تھا۔ ۱۹۹۵ء میں طبع پنجم کے موقع پر رفیقِ مکرم حافظ خالد محمود خضر نے کتابچے پر از سرِ نو بھرپور طور پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے مناسب editing بھی کی اور ذیلی سرخیوں کے اضافے سے اس کی افادیت میں بھی بجا طور پر اضافہ کیا' اور اسے کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا گیا۔ مزید چند ایڈیشنز کی طباعت کے بعد اب کچھ عرصے سے یہ کتابچہ آؤٹ آف پرنٹ تھا۔ ادھر کمپیوٹر کمپوزنگ کے میدان میں بھی چونکہ اب بہت جدّت آ چکی ہے' لہٰذا پیشِ نظر اشاعت (طبع ہشتم) کے موقع پر نہ صرف اس کتابچے کی جدید خوشنما کمپوزنگ کرائی گئی ہے' بلکہ اس پر ایک بار پھر نظرِ ثانی بھی کی گئی ہے اور کتابچے میں شامل احادیث کے متون اور حوالوں کے ضمن میں اُمہاتِ کتب سے رجوع کرتے ہوئے ان کی مکمل تخریج بھی کر دی گئی ہے۔ اس طرح اس معاملے میں سابقہ ایڈیشن میں جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی تھی اس کی تلافی کی کوشش کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ اس بات کا پورا امکان موجود ہے کہ دروس و خطابات کو تحریری شکل میں مرتّب کرتے وقت کسی بھی مرتب سے کسی علمی و فکری غلطی کا صدور ہو جائے اور کسی غلط فہمی کے باعث وہ کوئی بات غلط طور پر مقرّر یا مدرّس کی طرف منسوب کر دے۔ لہٰذا دورانِ مطالعہ کوئی بات اگر خلافِ واقعہ محسوس ہو تو اسے صاحبِ کتاب یعنی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ادارے کی جانب رجوع کیا جائے اور وضاحت طلب کی جائے۔ ممکن ہے مرتّب کے سہو کے باعث کوئی غیر مناسب لفظ یا جملہ کتاب میں شامل ہو گیا ہو۔

ناظم نشر و اشاعت

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۲۵ مئی ۲۰۱۲ء

پیش لفظ

نحمدہٗ ونُصلّی علٰی رسولہِ الکریم

یہ کتابچہ معراج النبی علٰی صاحبہ الصّلاۃ والسّلام کے متعلق محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک خطاب پر مشتمل ہے جو موصوف نے قریباً دو سال قبل ۲۷/ رجب المرجب کو فرمایا تھا۔ اس کو کیسٹ سے منتقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے بعد ماہنامہ میثاق لاہور کے مئی ۱۹۸۳ء کے شمارے میں شائع کیا گیا تھا۔ الحمدللہ والمنہ کہ اس خطاب نے قبول عام حاصل کیا اور عوام و خواص نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو ان کے طرزِ استدلال پر خراجِ تحسین پیش کیا۔

نام نہاد عقلیت پرستی کے اس دور میں یگانوں اور بیگانوں نے قرآن و حدیث میں وارد شدہ معجزات اور خرقِ عادت واقعات کی ایسی عقلی توجیہہ کرنے کی جسارت کی ہے جس سے نہ صرف یہ کہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص کے بخیے ادھیڑے گئے ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے ''عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' ہونے کا تصور بھی مجروح ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ اس کارگاہِ عالم میں جو طبعی قوانین نافذ ہیں وہ از خود نافذ نہیں بلکہ ہر آن اور ہر لحظہ خالق و فاطر کائنات خود ان کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ صاحبِ اختیار ہے' جب چاہے ان قوانین طبیعیہ کو معطل فرما سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے اور مزید قرآن فہمی سے نوازے کہ انہوں نے اس خطاب میں اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جسدِ اقدس کے ساتھ ہی معراج کی سعادت عطا ہوئی تھی۔ ساتھ ہی عقلی دلائل سے بھی اس محیّر العقل واقعہ کے استبعاد کو دور کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے' جس کے متعلق کچھ تجدّد پسند دانشوروں نے غلط فہمیاں اور مغالطے پیش کر کے ریب و تشکیک کے کانٹے اذہان میں پیدا کر رکھے ہیں۔

توقع ہے کہ یہ مختصر کتابچہ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کا' ان شاء اللہ' ذریعہ بنے گا جو اپنے اور پرائے دونوں ہی ہماری موجودہ تعلیم یافتہ نسل میں پھیلانے کی مذموم کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

احقر: جمیل الرحمٰن

مارچ ۱۹۸۴ء

اعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① (الاسراء)

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ⑮ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ⑰ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ⑱ (النجم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ مسنونہ اور تلاوتِ آیات کے بعد:

آج سے چودہ سو چھ (۱۴۰۶) برس قبل ۲۷ رجب کی ایک شب وہ محیر العقول واقعہ پیش آیا تھا جسے ہم ''معراج'' کے نام سے جانتے ہیں۔ معراج کے بارے میں کتب احادیث میں جو روایات ملتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عظیم واقعہ ہجرتِ مدینہ سے ڈیڑھ سال قبل پیش آیا جب کہ نبی اکرم ﷺ کی عمر شریف قریباً باون برس تھی۔

واقعۂ معراج کی حقیقت و اہمیت

اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے! اس کی اہمیت کیا ہے! اس موضوع پر گفتگو کرنے کے ضمن میں سب سے پہلے ہمیں یہ معین کرنا ہوگا کہ اس واقعہ کے ہم تک پہنچنے کے ذرائع (sources) کیا ہیں! ظاہر بات ہے کہ ہمارے لیے کسی بھی ضمن میں مرجعِ اوّل اور اوّلین بنیاد قرآن مجید ہے۔ قرآن حکیم میں واقعۂ معراج کا ذکر دو مقامات پر صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں نہ کسی اشارے' کنائے' رمز یا ایماء کا انداز ہے اور نہ کوئی ابہام و ایہام ہے' بلکہ صراحت کے ساتھ واضح الفاظ میں اس واقعے کا ذکر ہے۔ اس سفرِ مبارک کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ زمینی ہے یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک' اور دوسرا حصہ آسمانی ہے یعنی مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس واقعہ کے دونوں حصوں کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں' جو پندرھویں پارے کی بھی پہلی آیت ہے' اس زمینی سفر کا ذکر ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ ''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو' شب کے ایک حصے میں' مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک'' ﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾ ''جس کے ماحول (گرد و پیش) کو ہم نے مبارک بنایا'' ﴿لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ ''تاکہ ہم دکھائیں

اسے (ﷺ) اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں''۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝١﴾
''یقیناً سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا تو صرف وہ (تبارک وتعالیٰ) ہے۔''

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا' یہ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہے۔ نوٹ فرما لیں کہ اس سورۂ مبارکہ کا دوسرا نام سورۃ الاسراء بھی ہے' بلکہ عرب ممالک میں جو قرآن مجید طبع ہوتے ہیں ان میں اسے ''سورۃ الاسراء'' کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔

اس سفر مبارک کا جو آسمانی حصہ ہے' اس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے۔ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا' اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع خود قرآن سے ملتی ہے جو ہمارے لیے مرجع اوّل ہے' اس حوالے سے یہ بات جان لیجئے کہ چونکہ اس واقعہ کی بنیاد صرف احادیث ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں بھی بصراحت اس کا ذکر ہے' لہٰذا اس کا انکار کفر ہوگا' اگرچہ توجیہہ اور تاویل کے اعتبارات سے الفاظِ قرآنی میں جس حد تک گنجائش ہو اس حد تک اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے کفر نہیں سمجھا جائے گا۔

اس واقعہ کے ضمن میں ہمارے لیے مرجعِ ثانی احادیثِ نبویہؐ ہیں۔ ہمارے دین کے یہ دو بنیادی ماخذ ہیں' قرآن وحدیث۔ انہی کو اصطلاحاً کتاب وسنت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ معروف بات ہے کہ احادیث میں درجہ بندی ہے۔ سند کے اعتبار سے قوی ترین احادیث وہ ہیں جو صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ ان میں سے بھی وہ احادیث جو ان دونوں میں موجود ہوں' یعنی جن کی صحت پر یہ دونوں امام متفق ہو گئے ہوں' وہ اپنی سند کے اعتبار سے قرآن مجید کے آس پاس پہنچ جاتی ہیں۔

اس وضاحت کے بعد یہ بات جان لیجئے کہ اگرچہ ایسی احادیث کی تعداد کثیر ہے جن میں مختلف تفاصیل مذکور ہیں' تاہم نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ کم از کم اٹھائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ واقعہ مروی ہے۔ چونکہ ایک ہی روایت کئی کئی صحابہؓ سے مروی ہے اس اعتبار سے روایات کی تعداد تو اٹھائیس سے بھی بڑھ جائے گی' لیکن ان صحابہ کی تعداد اٹھائیس ہے جن سے واقعۂ معراج کا ذکر تفصیلاً یا اجمالاً مروی ہے۔ پھر ان میں ایک بڑی مفصل روایت وہ بھی ہے جو متفق علیہ ہے۔ یعنی احادیث کے اس طبقے سے تعلق رکھتی

ہے کہ جن کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش بہت ہی کم رہ جاتی ہے' بلکہ صحیح تر بات یہ ہوگی کہ معدوم کے درجے میں آجاتی ہے۔ اس متفق علیہ حدیث میں جو تفاصیل آئی ہیں' انہیں ہمیں مِن وعَن ماننا ہوگا۔

سفرِ معراج کی غرض وغایت

اس تمہید کے بعد پہلے میں یہ عرض کروں گا کہ اس واقعہ کی نوعیت کیا ہے.....! آیا یہ کوئی منفرد واقعہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کو پیش آیا ہے یا یہ نبوت ورسالت کے مستقل معاملات میں سے ایک معاملہ ہے اور مختلف انبیاء ورُسل کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا ہے!— اگر پیش آیا ہے تو اس میں جو فرق وتفاوت ہے وہ آیا نوعیت کا ہے یا کیفیت کا.....؟ یہ بات جان لیجئے کہ مکاشفات اور مشاہدات تو نبوت کا جزوِ لاینفک ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء ورُسل اِس منصب اور خدمت پر مامور ہوتے ہیں کہ ان امورِ غیبی کی اطلاع دیں جن پر ایمان لانا لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ والا صفات ہے' جو ذات وصفات کے اعتبارات سے اَحد ہے۔ پھر ملائکہ ہیں۔ اسی طرح جو آئندہ پیش آنے والے واقعات ہیں' جب تک وہ پیش نہ آجائیں وہ پردۂ غیب میں ہیں۔ یوم الآخرۃ' قیامت کا دن' ایک امرِ غیبی ہے۔ بعث بعد الموت' حشر ونشر' وزنِ اعمال' جزا وسزا' یہ سب امورِ غیبی ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے' جس کے متعلق یا یوں کہہ لیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ) غیب میں ہے..... یا یوں کہہ لیں کہ اُس ذاتِ عزوجل اور ہمارے مابین غیب کا پردہ حائل ہے۔ یہ وہ چیزیں اور وہ امور ہیں جن پر ایمان لانا ازبس ضروری ہے۔

ہدایت کا نقطۂ آغاز ہی یہ ہے کہ ان باتوں کو مانا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں ہدایت کے لیے جو شرطِ اول بیان کی گئی ہے وہ یہی ایمان بالغیب ہے: ﴿الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ.....﴾ یہ شرطِ اوّل ہے۔ اب جو بلند مرتبت ہستیاں اس خدمت پر مامور ہوئی ہوں کہ وہ ان امورِ غیبی پر ایمان کی دعوت دیں' ظاہر ہے کہ انہیں تو ان امور پر بدرجۂ کمال وتمام ایمان ویقین

ہونا چاہیے۔ جب تک وہ ایمان و یقین ان کے اندر اپنے درجۂ کمال کو پہنچا ہوا نہیں ہوگا' وہ دوسروں تک اس ایمان بالغیب کو کیسے منتقل کریں گے!

اب یہ بھی جان لیجیے کہ ایمان و یقین کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک یقین وہ ہے جو فکر و نظر اور تعقّل و تفکّر کے نتیجے میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک یقین وہ ہے جو خود ذاتی مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی بلند تر ایک درجہ وہ ہے جو انسان کے ذاتی تجربے اور احساس پر مبنی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ان مدارج کے لیے تین اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں: علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین — علم الیقین یہ ہے کہ آپ نے اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے استنباط کیا' استدلال کیا اور اس طرح کسی چیز کا علم آپ کو حاصل ہوا اور آپ کو یقین آ گیا۔ عین الیقین یہ ہے کہ آپ نے کسی چیز کو دیکھا اور آپ نے اپنی حسِ بصارت پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر یقین کر لیا — اور حق الیقین کا درجہ ان دونوں سے بلند ہوگا۔ یہ یقین وہ ہوگا جو انسان کے اپنے ذاتی تجربے کا ایک جزو بن جائے۔

میں اسے ایک سادہ سی مثال سے واضح کروں گا۔ اگر آپ دیکھیں کہ کہیں دھواں ہے تو آپ اپنی عقل کے بل پر یہ استدلال کرتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہاں آگ ہے۔ اس لیے کہ آپ کو یہ کلیہ معلوم ہے کہ دھواں اور آگ لازم و ملزوم ہیں۔ آگ اگرچہ آپ نے نہیں دیکھی' آپ نے دھواں ہی دیکھا ہے' لیکن اس کو دیکھ کر آپ کو اپنے استنباط اور استدلال سے آگ کے وجود پر یقین آ گیا۔ یہ علم الیقین ہے۔ اب آپ نے قدم بڑھایا۔ بھاگے دوڑے اور آپ وہاں پہنچے جہاں سے دھواں اُٹھ رہا تھا اور آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے آگ کا مشاہدہ کر لیا تو اب علم الیقین سے بلند تر درجہ آپ کو حاصل ہو گیا۔ یہی عین الیقین ہے۔ عربی کا مقولہ ہے کہ "لَیْسَ الخَبَر کَالمُعَایَنَۃ" یعنی "کسی کے بتانے سے جو یقین پیدا ہوتا ہے وہ اس درجے کا نہیں ہو سکتا جو دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے"۔ فارسی میں اسی حقیقت کا اظہار اس مقولے کے ذریعے کیا جاتا ہے کہ "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ" — لیکن ابھی یقین و معرفت کا ایک درجہ باقی ہے اور وہ درحقیقت آگ کی اصل حقیقت کا ادراک ہے۔ آپ نے آگ آنکھ سے دیکھ لی'

لیکن اس وسوسے کا امکان ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ آگ کی سی صورت ہو' حقیقی آگ نہ ہو۔ سورۃ النجم میں فرمایا گیا: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ﴿١١﴾﴾ ''نظر نے جو دیکھا دل نے اس کو جھٹلایا نہیں''۔ اس میں اسی وسوسے کی طرف اشارہ ہے کہ کسی وقت انسان کسی شے کو دیکھ رہا ہوتا ہے' لیکن یقین نہیں آتا کہ میں ٹھیک دیکھ رہا ہوں' اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ انسان پکار اُٹھتا ہے کہ ''آنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب!'' — اس وسوسے کا کلیۃً ازالہ اُس وقت ہو جائے گا جب وہ آگ آپ کو چھو جائے یا آپ اس آگ کو خود چھو لیں۔ اب یقین ہو جائے گا کہ یہ واقعتاً آگ ہے' محض صورتِ آگ نہیں ہے بلکہ حقیقتِ آگ ہے۔ اس تجربے ہی سے آپ کو صحیح اندازہ ہوگا کہ آگ کہتے کسے ہیں! اگر کبھی انگارے نے آپ کے جسم کے کسی حصے کو چھوا نہ ہو اور آپ نے ساری عمر آگ صرف دیکھی ہو تو اس کی اصل حقیقت کا علم اور ادراک آپ کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہے وہ ذاتی تجربہ جس کی رسائی جب انسان کے اپنے احساس تک ہو جاتی ہے تو اس کو ''حق الیقین'' کہا جاتا ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ انبیاء و رُسل کو جو یقین دوسروں تک منتقل کرنا ہے اس کے پیش نظر ان کا اپنا یقین و ایمان اگر حق الیقین کے درجے تک نہ پہنچا ہو اور ان کے اپنے تجربے اور احساس کا جزو نہ بن چکا ہو تو مطلوب حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر یقین کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی کہ وہ مجسم ایمان و یقین بن جائیں کہ ان کی شخصیتوں سے یقین متعدی ہو رہا ہو' پھیل رہا ہو۔ اس کے لیے ان کا تجربہ' ان کا معائنہ اور ان کا مشاہدہ اگر نہ ہو تو یقین کا وہ درجہ کبھی پیدا نہیں ہوسکتا کہ ان کی شخصیتوں سے یقین متعدی ہو جائے' لوگوں تک پہنچے۔ جیسے اگر آگ کی بھٹی ہو تو اس سے حرارت خود بخود نکلتی ہے اور دوسروں تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ہے اصل میں وہ سبب جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ عالم ملکوت کے مشاہدات انبیاء و رسل کو کراتا ہے۔ یہ مکاشفات کی شکل میں بھی ہوئے ہیں' یہ رؤیا کی شکل میں بھی ہوئے ہیں۔ یہ حالتِ نوم میں بھی ہوئے ہیں' حالت بیداری میں بھی ہوئے ہیں اور ان دونوں یعنی خواب و بیداری کی درمیانی کیفیت میں (بَیْنَ النَّوم

وَالیقظة) بھی ہوئے ہیں۔ اس میں کچھ چیزوں کو ممثل کر کے بھی دکھایا گیا ہے۔ بعض حقائق کا براہِ راست مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ جیسے جیسے مراتب ہیں ویسے ویسے ہی ان تجربات و مشاہدات کا معاملہ ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۷۵ میں فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے رہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظام تاکہ وہ پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔''

''مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' یعنی اس کائنات کی خفیہ حکومت کا جو انتظام و انصرام ہے' اس کے جو کارندے ہیں' اس کی جو سول سروس ہے' یعنی ملائکہ' جو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ ملائکہ تو ہر جگہ موجود ہیں' ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہیں' کراماً کاتبین موجود ہیں لیکن وہ مخفی ہیں۔ وہ غیب میں ہیں یا ہم ان سے غیب میں ہیں۔ اس عالم کا ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ کرایا جاتا رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی اس خفیہ حکومت' اس غیبی حکومت کے رموز و اسرار اور معاملات دکھائے جاتے رہے ہیں — اس آیت کا آخری ٹکڑا میری اس گفتگو کے اعتبار سے بہت اہم ہے: ﴿وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝﴾ ''تاکہ وہ (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام) اصحابِ یقین میں سے بن جائے''۔ ایمان تو محض خبر کی بنیاد پر بھی ہے' لیکن میں نے یقین کا جو بلند ترین درجہ عرض کیا ہے وہ مشاہدے اور ذاتی تجربے کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ اس بلند ترین درجے کا یقین انبیاء و رسل کو دینا مقصود ہوتا ہے' لہٰذا انہیں یہ مشاہدات و تجربات کرائے جاتے ہیں۔

البتہ جیسے نبوت و رسالت کے سلسلے کی تکمیل نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر ہوئی ہے' اسی طرح ان مشاہدات کے بارے میں بھی چوٹی کا مشاہدہ اور ذاتی تجربات کے ضمن میں بھی بلند ترین تجربہ وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ہوا' جسے ہم معراج کے نام سے جانتے ہیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ واحد تجربہ نہیں ہے' آپؐ کو بے شمار تجربات ہوئے ہیں۔ آپؐ صلوٰۃِ استسقاء پڑھا رہے

ہیں اور جنت آپؐ کے سامنے لے آئی گئی اور بے اختیار آپؐ کا ہاتھ اُٹھا اور آگے بڑھا تاکہ آپ جنت کے کسی درخت کا پھل یا میوہ توڑ لیں۔ یہ ہاتھ کا اُٹھنا اور بڑھنا ایک غیر اختیاری عمل تھا۔ اس نوع کے عمل میں کسی ارادے کو دخل نہیں ہوتا۔ پھر جہنم سامنے لے آئی گئی اور آپؐ بے اختیار اس کی حرارت' اس کی گرمی' اس کی دہشت سے اچانک پیچھے ہٹے۔ یہ تمام تجربہ نماز میں ہو رہا ہے' عالمِ بیداری میں ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ خلوت میں نہیں ہیں' مجمع میں ہیں' وہاں ہو رہا ہے۔ مختصراً یہ کہ ہم ان مشاہدات کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو ہوئے۔

روایاتِ معراج میں اختلاف کی حقیقت

آگے بڑھنے سے قبل واقعۂ معراج سے متعلق ایک ظاہری الجھن کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حقیقت ہے کہ جہاں تک نفسِ واقعہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب مانتے ہیں کہ سیرت میں ایسا کوئی واقعہ ہوا تو ضرور ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں' جن میں بظاہر بہت اختلاف ہے۔ یعنی مجرد واقعۂ معراج تو متفق علیہ ہے' لیکن اس خاکے میں جو رنگ ہیں' وہ مختلف روایات میں جدا جدا ہیں۔ ان میں بھی ایک تو اس نوعیت کی چیزیں ہیں جن میں ہم آہنگی کی جا سکتی ہے اور وہ باہم منطبق ہو جاتی ہیں۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک واقعہ آپ نے دیکھا اور وہی واقعہ کسی اور نے بھی دیکھا تو آپ اس کو جس انداز میں بیان کریں گے ہو سکتا ہے کہ دوسرا اس کو اس انداز سے نہیں بلکہ کسی اور انداز سے بیان کرے۔ یعنی آپ اس واقعہ کی ایک کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں اور شاید دوسرے صاحب اس کو اجمالی طور پر بیان کریں اور کسی دوسری کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں۔ ہر شخص کا ایک اپنا ذوق اور اپنا مزاج ہوتا ہے اور اسی کے اعتبار سے واقعات کا بیان بھی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذوق کے اعتبار سے کوئی بات آپ کے نزدیک کم اہمیت رکھتی ہے تو اگرچہ آپ اسے سنیں گے یا دیکھیں گے بھی' لیکن وہ آپ کے حافظے میں محفوظ نہیں رہے گی' جبکہ ایک دوسری چیز کی طرف آپ کو زیادہ میلان

ہے' اس کو آپ پوری طرح گرفت میں لائیں گے' اسے catch کریں گے اور محفوظ کرلیں گے۔ تو ایک ہی واقعہ بیان کیا جارہا ہے' اسے دو نے سنا' پانچ نے سنا' تو جب یہ حضرات اس کو بیان کریں گے تو تھوڑا تھوڑا فرق ہو جائے گا' لیکن آپ اس فرق کو جوڑ کر ایک وحدت بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا روایات میں ایک اختلاف تو اس نوعیت کا ہے جس میں کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہیں یہ ہوگا کہ اس واقعہ کا کوئی درمیانی یا بعد کا حصہ کوئی شخص پہلے بیان کردے گا اور اسے جب یاد آجائے گا تو وہ پہلا حصہ بعد میں بیان کردے گا۔ یہ تقدیم و تاخیر والی باتیں بھی بالکل سمجھ میں آنے والی ہیں۔ عقلِ انسانی ان کو ہم آہنگ (reconcile) کرسکتی ہے۔

البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جو ناقابلِ تطبیق (irreconcilable) ہیں' وہ بالکل متضاد نوعیت کی ہیں۔ مثلاً کہیں تو یہ بیان کیا گیا کہ سفرِ معراج مقامِ حطیم سے شروع ہوا۔ کسی دوسری روایت میں بیان ہو رہا ہے کہ اس کا آغاز کسی گھر سے ہوا' حضور ﷺ کے اپنے گھر سے یا حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے' جو آنحضرت ﷺ کی چچازاد بہن ہیں۔ کسی روایت کے آخر میں الفاظ ایسے آگئے ہیں: ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ ''پھر میں جاگ گیا۔'' جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ سارا واقعہ عالمِ خواب اور نیند میں ہوا۔ اس لیے کہ ''اِسْتَيْقَظْتُ'' کے معنی کوئی اور نہیں ہوسکتے' لہٰذا تاویل ممکن نہیں۔ یہ جو اس نوعیت کی تضاد کی حامل روایات ہیں' جن کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم جوڑنا ممکن نہیں ہے' ایسی روایات کی ایک نہایت عمدہ تاویل بہت سے محققینِ اُمت کی جانب سے یہ کی گئی ہے کہ واقعۂ معراج بھی ایک بار نہیں ہوا' کئی بار ہوا ہے۔ اس طرح کوئی روایت بھی رد نہیں ہوتی۔ بعض محققین اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتے کہ واقعۂ معراج بار بار ہوا ہے' بلکہ وہ اپنی تحقیق کی بنیاد اس روایت کو بناتے ہیں جسے وہ زیادہ معتبر سمجھتے ہیں اور صرف اسی کو قبول کرتے ہیں' چنانچہ اسی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور بقیہ روایات کو وہ رد کردیتے ہیں۔ سلف سے یہ اختلاف چلا آرہا ہے اور یہ آئندہ بھی رہے گا۔ اپنے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر سے جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں' وہ میں آپ کے سامنے بیان کردیتا ہوں اور وہ یہ

ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو معراج کی سعادت کم از کم دو مرتبہ حاصل ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ یہ واقعہ نبوت کے ابتدائی دور میں پیش آیا۔ یوں سمجھئے کہ یہ معراج نبوت کے سن دو یا تین میں ہوا' یعنی ۴۲ یا ۴۳ سنِ ولادت میں۔ اور یہ معراج ہوا ہے حالتِ نوم میں۔ ایسی روایات اس معراج کے ساتھ جڑیں گی جن کے آخر میں مذکور ہے "ثُمَّ اسْتَیْقَظْتُ" یعنی "پھر میں جاگ گیا"۔ یہ جو تجربہ ہے اس کو نیند میں ایک روحانی تجربے' ایک مکاشفے یا خواب سے تعبیر کیا جائے گا۔ اور جو دوسرا واقعہ ہے' جو انتہائی مشہور و معروف ہے اور جس کو ہم "معراج" کے نام سے جانتے ہیں' یہ نبوت کے سن گیارہ کے اواخر یا سن بارہ کے اوائل میں ہوا ہے۔ گویا یہ آں حضور ﷺ کی عمر شریف کا ۵۲ واں سال ہے' یعنی ہجرت سے لگ بھگ دو سال قبل۔ یہ واقعہ درحقیقت ان تجربات کی' جو آنحضور ﷺ کو اُس وقت تک ہوئے تھے' تکمیل ہے اور یہ تجربہ ان تمام تجربات کا نقطۂ عروج ہے۔ اور یہ سفر ہرگز نیند میں نہیں ہوا۔ یہ صرف روحانی تجربہ نہیں ہے' یہ کوئی رؤیا یا خواب نہیں ہے' بلکہ یہ سفر ہے بِجَسَدِہٖ۔ نبی اکرم ﷺ کے پورے جسدِ مبارک کے ساتھ معراج کا یہ پورے کا پورا سفر پیش آیا۔

سفرِ معراج کی عقلی توجیہہ

اس ضمن میں اِس دور میں' جو عقلیت پرستی کا دور ہے اور جسے "18th Century Rationalism" کہا جاتا ہے' مغرب میں فکرِ انسانی کئی قلابازیاں کھا چکا ہے' لیکن مشرق کے کچھ مفکرین ہیں جو ابھی تک اٹھارہویں صدی ہی کے "Rationalism" کو بیٹھے چاٹ رہے ہیں۔ حالانکہ اٹھارہویں صدی کی وہ عقل پرستی مغرب میں ختم ہو چکی ہے' سائنس کے صغریٰ کبریٰ اور مقدمات و متعلقات (premises) تبدیل ہو چکے ہیں' اصول و مبادی بدل چکے ہیں' لیکن علامہ اقبال کے اس مصرعے کے مصداق کہ ع "وہاں اگر گوں ہے لحظہ لحظہ' یہاں بدلتا نہیں زمانہ!" ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جو ابھی تک نیوٹونین فزکس (Newtonion Physics) کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک معراج کا واقعہ محالات اور ناممکنات میں سے ہے۔ میں اسی لیے کہا

کرتا ہوں کہ اگر سرسید احمد خان مرحوم نے ٹھوکر کھائی تو وہ قابلِ رحم اور معذور ہیں' وہ آج سے سوسوا سو سال پہلے کے انسان ہیں۔ وہ جس سائنس کی عقل پرستی سے مرعوب تھے اس سائنس کے' جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا' مقدمات (premises) بدل گئے۔ لیکن تعجب اور حیرت تو ان لوگوں کی حالت پر ہوتی ہے جو سرسید کے فکر پر آج بھی اپنی دکانیں چمکا رہے ہیں۔ یہ مقلدِ محض ہیں۔ ان کے پاس تو درحقیقت عقلِ عام نام کی شے بھی نہیں ہے کہ ان کو اندازہ ہو کہ ہم کس دور میں سوڈیڑھ سو سال پہلے کی عقلیت پرستی کی بات کر رہے ہیں۔

آج کا دور آئن سٹائن کی فزکس کا دور ہے۔ ڈیڑھ دو سو سال پہلے کی فزکس کے مقدمات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب مادّہ (matter) حتمی' قطعی اور ناقابلِ تردید اور مستحکم نہیں رہا۔ اب سائنس یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ نظری اعتبار سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی مادی جسم نور کی رفتار کے ساتھ حرکت کرے گا تو اس کے لیے وقت نہیں گزرے گا۔ حساب نے یہ ثابت کر دیا ہے' اگرچہ ابھی ہم اس کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ سب سے زیادہ رفتاریں انسان کے سامنے دو تھیں۔ ایک آواز کی رفتار اور دوسری روشنی کی رفتار۔ آواز کی رفتار سے تو انسان آگے گزر گیا ہے۔ پہلے بندوق کی گولی آواز سے تیز جاتی تھی۔ گولی پہلے لگتی تھی' آواز بعد میں آتی تھی۔ لیکن اب تو سپرسانک جیٹس ہیں۔ آواز سے کہیں زیادہ ان کی اپنی رفتار ہے۔ اب صرف ایک رفتار رہ گئی ہے اور وہ ہے نور یا روشنی کی رفتار۔ اگرچہ ایک مادی جسم کے لیے اس رفتار تک پہنچنا یا اس سے تیز سفر کرنا عموماً ناممکن قرار دیا جاتا ہے' تاہم طبیعیات کے حلقوں میں یہ امور اب اس قدر محال نہیں سمجھے جاتے جتنے یہ ایک صدی پہلے تھے۔ صرف فرق ہے انسانی قدرت اور اللہ کی قدرت کا جس کی طرف اشارہ کر کے بات شروع کی گئی کہ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ ''پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔''

آیۂ اِسراء کی تشریح و توضیح

آیت زیر مطالعہ میں پہلی قابل توجہ بات لفظ ''سبحان'' ہے۔ یعنی جو ہستی اس

فعل (اسراء) کی فاعلِ حقیقی ہے وہ ''سُبُّوح'' ذات ہے۔ اگر یہ بات کسی انسان کی طرف منسوب ہوتی تو اور بات تھی۔ اگر یہ فعل حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوتا کہ حضورؐ خود تشریف لے گئے تو اور بات تھی۔ لیکن وہاں تو صورت بالفعل یہ تھی: ؏ ''کہ میں آیا نہیں' لایا گیا ہوں''۔۔۔۔ حضور ﷺ خود نہیں گئے' لے جائے گئے تھے۔ اور لے جانے والی ذات کون ہے؟ ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ ......﴾ جو پاک ہے ہر عیب سے' ہر نقص سے' ہر ضعف سے' ہر کوتاہی سے' ہر درماندگی سے۔ اور وہ ذات سبوح ہے' منزّہ ہے' ارفع ہے' اعلیٰ ہے' بالاترین ہے۔ لہٰذا اس کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جائے اور واپس لے آئے اور مسجد حرام میں پہنچا دے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کی مراجعت پر وضو کا پانی ابھی بہہ رہا تھا اور حضورؐ کے مکان کے دروازے کی کنڈی ابھی ہل رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ ابھی وقت نہیں گزرا[1] اور یہ چیز' جیسا کہ میں نے

(۱) اس موقع پر اس عاجز کو مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ کی ''معراج'' کے موضوع پر کی گئی ایک تقریر کا وہ حصہ اچانک یاد آ گیا جو اسی مسئلہ سے متعلق تھا۔ یہ تقریر اس عاجز نے نوجوانی کے دور میں سنی تھی۔ ایک مسجد میں تقریر تھی۔ اس زمانے میں عموماً وقت بتانے والے وہ گھنٹے ہوا کرتے تھے جو چابی اور pendulum (لنگر) سے چلتے تھے۔ مولانا مرحوم جب تقریر میں اس موضوع پر آئے تو انہوں نے ایک بڑی پیاری مثال سے اس مسئلہ کو سمجھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ''آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس گھنٹہ میں چابی بھری ہوئی ہے لیکن یہ گھنٹہ پینڈولم کے رقص کی بدولت چل رہا ہے اور وقت بتا رہا ہے۔ اس وقت اس میں گیارہ بج رہے ہیں۔ اب اگر میں اس کو روک دوں تو یہ گیارہ بجے کے وقت پر رک جائے گا۔ بعد ازاں ایک یا دو دن یا چند ہفتوں یا چند مہینوں کے بعد اس پینڈولم کو حرکت دی جائے تو یہ ٹھیک گیارہ بجے سے' جہاں اسے روکا گیا تھا' حرکت میں آ جائے گا''۔ مولانا نے یہ مثال دے کر آگے فرمایا کہ ''ہم جس اللہ کو مانتے ہیں وہ ''علٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر'' ہے اور اس کائنات کے رواں دواں رہنے میں ہر لحظہ اور ہر آن اسی کا حکم کارفرما ہے ''لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ''۔ اب جبکہ اس نے اپنے بندے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو معراج عطا فرمایا تو اُس نے کائنات کو (suspend) ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہر چیز کی حرکت اسی جگہ رک گئی۔ بعدہٗ اللہ تعالیٰ سبحانہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا' جہاں آپؐ کی ◀

عرض کیا' آج کا جو ذہن ہے اس کی رو سے نا قابلِ قیاس اور نا قابلِ یقین نہیں رہی۔

دوسری قابل توجہ بات ہے لفظِ ''عبد'' — ایک اس پہلو سے کہ لفظ عبد کا اِطلاق صرف روح پر نہیں' بلکہ روح اور جسد دونوں پر ہوگا۔ ہم عبد ہیں' صرف ہماری روح کو عبد نہیں کہا جائے گا۔ ہم اپنی روح کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو روحِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کو کیا سمجھ سکیں گے! بلکہ جان لیجئے کہ عبد کا اطلاق اکثر و بیشتر تو جسد پر ہوگا۔ اس صراحت سے یہ اضافی بات معلوم ہوئی کہ صرف روحِ محمد ﷺ نہیں لے جائی گئی بلکہ بنفسِ نفیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے جائے گئے۔ اور ''محمد ﷺ'' کا اطلاق روحِ محمدیؐ اور آپؐ کے جسد شریف دونوں کے مجموعے پر ہوگا' صرف روح پر نہیں ہوگا۔

عبدیت و رسالت میں فرقِ مراتب: تیسری بات جو بہت قابلِ لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو مقامِ عروج ہے' جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہو رہا ہے' اس میں حضور ﷺ کی دو نسبتوں میں سے جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے' وہ نسبتِ رسالت نہیں ہے' بلکہ نسبتِ عبدیت ہے۔ ویسے بھی عام طور پر قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خصوصی اور شفقتِ خصوصی کا اظہار ہوتا ہے' وہاں آپ ﷺ کی نسبتِ عبدیت کا ذکر ملتا ہے' جیسے ہم نے یہاں دیکھا' یا جیسے اگلی سورۃ الکہف کے آغاز میں ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ①﴾ اور جیسے سورۃ الفرقان کے آغاز میں ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ①﴾ اسی طریقے سے سورۃ النجم میں ارشاد ہوا: ﴿فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ⑩﴾ اسی طرح یہاں ہے: ﴿سُبْحٰنَ

◀ امامت میں تمام انبیاء و رسل نے نماز پڑھی' جو گویا علامت تھی اس بات کی کہ آپؐ سید الانبیاء والرسل ہیں۔ اس کے بعد آپؐ حضرت جبرائیلؑ کی معیت میں یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں پر اور پھر سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے۔ آپؐ کو جنت اور دوزخ کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کو واپس اپنے مستقر پر بھیج دیا گیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے کائنات پھر رواں دواں ہوگئی۔ چنانچہ جو چیز جس مقام پر روک دی گئی تھی' اسی جگہ اس نے حرکت شروع کر دی''۔ مولانا نے فرمایا کہ ''یہ ایک عقلی توجیہہ ہے اس بات کی کہ حضور ﷺ کی واپسی پر کنڈی ہل رہی تھی' وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور بستر میں حرارت موجود تھی۔'' (ج۔ر)

الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا.....﴾

یہاں یہ نکتہ جان لیجئے کہ نسبتِ عبدیت بالاتر ہے نسبتِ رسالت سے —— اور اگر اسے صوفیاء کی اصطلاح سے سمجھیں تو وہ یہ ہے کہ نسبتِ عبدیت ایک عروجی نسبت ہے' جبکہ نسبتِ رسالت ایک نزولی نسبت ہے۔ اگر آپ اس امر کو ذہن میں رکھیں گے تو بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پہلی وحی ہوئی یا آپؑ اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ یا مکالمہ سے جو مشرف ہوئے تو آپ کوہ طور پر تھے' بلند مقام پر تھے۔ اور اس سے اعلیٰ مقام کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ گفتگو ہو رہی ہے' درمیان میں کوئی واسطہ حائل نہیں ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں: ﴿وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾﴾ (النساء) ''اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام فرمایا جیسے کہ کلام کیا جاتا ہے''۔ یہاں موسیٰؑ کیا ہیں؟ عبد ہیں! اور جب رسالت کا حکم ملا تو فرمایا گیا: ﴿اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی ﴿۲۴﴾﴾ (طٰہٰ) ''جاؤ فرعون کی طرف' بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے''۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اتریں گے تو فرعون کی طرف جائیں گے۔ کسی کے پاس سے کوئی جاتا ہے تو اُس کی طرف پیٹھ کر کے جاتا ہے' جبکہ اُس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے تو اُس کے حضور میں ہے' مواجہہ کر رہا ہے' face to face ہے۔ تو غور کیجئے کہ کون سی نسبت بالاتر ہوئی! —— ظاہر ہے کہ نسبتِ عبدیت' جس میں رخ اللہ کی طرف ہوتا ہے۔ جبکہ رسالت ایک فرضِ منصبی ہے کہ جاؤ ادا کرو۔ اس کا رخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔

مولانا رومؒ نے اس کو ایک تمثیل کے پیرائے میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اصل میں ان حقائق کو جاننے والے یہ صوفیاء ہی ہیں' یہ نہ فقہاء کا دائرہ ہے نہ محدثین کی دلچسپی کا میدان۔ اس لیے کہ ہر ایک کے اپنے اپنے دائرے ہیں اور ان دائروں میں سب نے اپنے اپنے کام کیے ہیں۔ یہ تمام اصحاب ہمارے محسن ہیں' لیکن ہر طبقے کا اپنا اپنا ذوق اور اپنا اپنا میدان (field) ہے۔ چنانچہ عبدیت و رسالت میں فرقِ مراتب ہمارے صوفیاء نے قائم کیا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس کے لیے بارش کی مثال دی ہے۔ ہماری دنیا میں بارش کا جو نظام چل رہا ہے وہ یہ ہے کہ سمندر سے بخارات اُٹھ

رہے ہیں۔ یہ عروج ہے۔ بخارات نہایت لطیف حالت میں ہیں' نہایت پاک وصاف ہیں۔ اس عملِ تبخیر کے ذریعے تطہیر ہو رہی ہے۔ پانی کو بھاپ بنایا جا رہا ہے۔ اس میں ظاہر ہے کہ کثافت تو ساتھ نہیں جائے گی۔ پانی انتہائی لطیف اور پاک وصاف صورت میں اوپر جا رہا ہے۔ اوپر جا کر ان بخارات نے بادلوں کی شکل اختیار کر لی۔ ہواؤں کے دوش پر یہ بادل فضا میں تیرتے ہیں۔ پھر بارش بن کر وہی پانی زمین پر نازل ہو رہا ہے۔ اب اس نزولِ بارش سے کیا ہوگا! پہلے وہ پانی فضا کو دھوئے گا۔ اس عمل میں فضا کی کچھ نہ کچھ کثافت برستے پانی میں شامل ہو جائے گی۔ پھر وہ بارش زمین تک پہنچے گی اور زمین کو دھوئے گی۔ اس مرحلے پر کچھ مزید کثافتیں اس میں شامل ہو جائیں گی۔ یہ پانی ندیوں' نالوں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا پھر سمندر میں پہنچے گا۔ اب وہ ساری کثافتیں سمندر میں رہ جائیں گی اور پھر وہی پانی لطیف اور پاک وصاف ہو کر بخارات کی صورت میں آسمان کی طرف اُٹھ جائے گا۔ یہ عروج ہے اور وہ نزول ہے۔ نزول سے فضا اور زمین کی صفائی ہو رہی ہے جبکہ عروج میں پانی کی اپنی صفائی ہوتی ہے۔

عروج ونزول کا یہی سائیکل عبدیت ورسالت کے مابین چلتا ہے۔ رات کو اللہ کا بندہ اُس کے حضور میں کھڑا ہے۔ یہ کس کی صفائی ہے؟ اپنی!—— کس چیز سے صفائی یہ میں بعد میں عرض کروں گا۔ اس کو کہیں اپنی کثافتوں پر قیاس نہ کر لیجئے گا۔ وہ کثافتیں ان ہستیوں کے کہیں آس پاس بھی نہیں ہوتیں۔ ع ''گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی''—— لیکن دن کے لیے کیا حکم ہے؟ اب نزول کا مرحلہ ہے۔ جاؤ لوگوں کی طرف' انہیں اللہ کا پیغام پہنچاؤ' ان کو اللہ کے راستے کی طرف پکارو۔ یہ کام منصبِ رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ مکہ کے مشرکانہ ماحول میں نبی اکرم ﷺ توحید کی دعوت پہنچا رہے ہیں۔ مجمعوں میں قرآن پیش فرما رہے ہیں' گھروں پر دستک دے رہے ہیں' در بدر تشریف لے جا رہے ہیں۔ لیکن ہو کیا رہا ہے؟ یہی کہ کسی نے استہزا اور تمسخر کیا' کسی نے گالی دے دی' کسی نے شاعر کہا' کسی نے مجنون ودیوانہ کہا تو کسی نے ساحر اور جادوگر کہہ دیا' کسی نے کاہن کہہ دیا۔ ان باتوں سے قلبِ محمد ﷺ میں کچھ کدورت پیدا ہوتی ہوگی یا نہیں؟ آپ

کی طبعِ مبارک کو رنج پہنچتا ہوگا یا نہیں؟ یہ اثرات بالکل مترتب نہ ہوں، یہ ناممکن ہے۔ اسی لیے تو قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے حضور ﷺ کو تسلی دی جاتی رہی ہے، جیسے فرمایا گیا: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ﴾ (الانعام:۳۳) ''ہمیں بخوبی علم ہے کہ آپؐ کی طبیعت پر ان کی باتوں سے تکدر پیدا ہوتا ہے، آپؐ ملول اور غمگین ہوتے ہیں''۔ اور ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲﴾ (القلم) ''ن۔ قسم ہے قلم کی اور اُس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں (یعنی قرآن)۔ آپ (اے محمد ﷺ) اپنے رب کے فضل سے ہرگز مجنون نہیں ہیں''۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو ایک طرف تسلی دی جارہی ہے۔ اور دوسری طرف جو تکدر آپؐ کے دل پر آ گیا ہے اسے دور کرنے کے لیے حکم ہو رہا ہے کہ راتوں کو کھڑے رہا کیجیے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ (المزمل)

''اے لحاف اوڑھ کر لیٹنے والے! آپ رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کریں مگر کم۔ آپ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیں، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دیں، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر (حالتِ قیام میں) پڑھا کریں۔ ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔''

اب یہ عروجی کیفیت ہے، یہ نسبتِ عبدیت ہے کہ ''عَبْدُهٗ'' یعنی محمد ﷺ اُس (اللہ تعالیٰ) کا بندۂ خاص، اُس کے حضور میں راتوں کو کھڑا ہے، اللہ تعالیٰ سے لو لگی ہوئی ہے اور اپنے رب، اپنے مولا، اور اپنے حامی و ناصر کے حضور میں مناجات ہو رہی ہے۔ دن میں نزولی کیفیت ہے کہ لوگوں کے اذہان و قلوب کو نورِ توحید سے منور کرنے کی سعی ہو رہی ہے، ماحول کو صاف کرنے کی جدوجہد ہو رہی ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے سورۃ المزمل کی آیات ایک تا دس میں، جن میں سے پہلی پانچ آیات اور ان کا ترجمہ ابھی آپ نے ملاحظہ کیا۔ اب اگلی چند آیات اور ان کا ترجمہ بھی دیکھ لیجیے تاکہ بات مکمل ہو جائے۔ فرمایا:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا

طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ (المزمل)

''(اے نبی ﷺ!) درحقیقت رات کا اُٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ بلاشبہ آپ کے لیے دن میں (تبلیغ کی) بڑی مصروفیات ہیں (بڑی محنت اور مشقت ہے' لیکن اس میں بھی) اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہیے۔ وہ (اللہ) مشرق و مغرب کا مالک ہے' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا اُسی کو اپنا پشت پناہ بنایئے (اسی پر بھروسا کیجیے) اور (اے نبیؐ آپ کی دعوت پر) لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں ان پر صبر کیجیے اور ان سے خوش اسلوبی کے ساتھ کنارہ کش ہو جایئے۔''

طنز و استہزا اور طعن و تشنیع کے گھاؤ بڑے کاری ہوتے ہیں' ان کو جھیلنا آسان نہیں۔ اس سے طبیعتِ مبارک پر جو تکدر آتا تھا اس کا ازالہ اُس وقت ہوتا تھا جب ''عبدہ'' نسبتِ عبدیت کے اعتبار سے رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کے حضور کھڑا ہوتا تھا اور حالتِ عروجی کی کیفیات سے بہرہ مند ہوتا تھا۔ تو یہاں لفظ ''عبد'' کے حوالے سے ان حقائق کو ذہن نشین کر لیجیے۔

چند وضاحت طلب پہلو: زیرِ نظر آیت کے اس حصے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا﴾ میں دو مزید الفاظ وضاحت طلب ہیں' ایک ''اَسْرٰی'' اور دوسرا ''لَیْلًا''۔ عربی میں ''اسراء'' کے معنی ہیں راتوں رات لے جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں سورۃ الشعراء کی آیت ۵۲ میں یہی لفظ آیا ہے: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو وحی بھیجی کہ (اے موسیٰؑ) راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ' تمہارا پیچھا کیا جائے گا''۔ تو حضور ﷺ کے لیے بھی یہی لفظ آیا ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ ..... اس کے بعد ''لَیْلًا'' کیوں آیا' جبکہ اَسْرٰی میں ''راتوں رات'' کا مفہوم و معنی شامل ہے؟ اس لیے کہ سفرِ معراج میں پوری رات نہیں لگی تھی' بلکہ رات کا ایک نہایت قلیل' نہایت مختصر حصہ صرف ہوا تھا۔ اسی لیے ''لَیْلًا'' کا

ترجمہ ''رات کا ایک حصہ'' کیا جاتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو شب کے ایک حصے میں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے، تاکہ ہم (اپنے) اس (بندے) کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں۔ یقیناً سب کچھ سننے (اور) دیکھنے والا تو وہی (اللہ تعالیٰ) ہے۔''

اب دوبارہ ترجمے سے پوری بات آپ کے سامنے بالکل واضح ہو کر آ گئی ہوگی۔ اب دو باتیں وضاحت طلب رہ گئیں، ایک تو یہ کہ کون سی نشانیاں حضور ﷺ کو دکھائی گئیں! وہ میں آپ کو آگے چل کر احادیث کے حوالے سے بتاؤں گا۔ اس لیے کہ ان کا ذکر احادیث میں بصراحت موجود ہے۔ دوسرے اس آیت کا آخری ٹکڑا ﴿اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ ہے۔ یعنی ''سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے''۔ یہ دراصل اُس کے علمِ کامل کی شرح ہے۔ یہاں حصر کا اسلوب ہے۔ یعنی اُس کے سوا یہ وصف کسی اور میں ہے ہی نہیں، چاہے وہ ملائکہ ہوں، انبیاء و رُسل ہوں یا اولیاء ہوں۔ البتہ یہ اُس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے علم میں سے جتنا جس کو چاہے عطا فرما دے، اپنی سماعت میں سے جتنا حصہ چاہے کسی کو مرحمت فرما دے، اپنی بصارت میں سے جتنا چاہے کسی پر فیضان فرما دے۔ یہ اُسی کو اختیار ہے: ﴿وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ (البقرۃ:۲۵۵) ''اور وہ اللہ کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے ماسوائے اس کے جو وہ خود چاہے''۔ اور ﴿سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ﴾ (البقرۃ:۳۲) ''(اے اللہ) تو پاک ہے اور ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہے مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا''۔ یہ ملائکہ کا قول نقل ہوا ہے۔ پس فرشتوں کے علم کی نوعیت بھی یہی ہے اور انبیاء و رسل کے علم کی کیفیت بھی یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، اتنا ہی ان کو علم ہے۔ باقی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا، سب کچھ جاننے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ سبحانہ ہی ہے۔

واقعۂ معراج۔ حدیثِ نبویؐ کے آئینے میں

اب میں چاہتا ہوں کہ پورا واقعۂ معراج آپ کو اس حدیث کے حوالے سے سنادوں جو متفق علیہ ہے۔ میں خود بیان کروں گا تو کچھ نہ کچھ کمی بیشی کا احتمال ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ واقعۂ معراج اپنی پوری تفاصیل کے ساتھ حدیث کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے اور حدیث بھی دوسرے یا تیسرے طبقے کی کتابوں میں نہیں ہے' بلکہ متفق علیہ ہے' جس کا پایہ' جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' روایت اور سند کے اعتبار سے تقریباً قرآن مجید کے برابر ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بارے میں ایک بڑی اہم بات نوٹ کر لیجئے کہ یہ انصاری صحابی ہیں اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنہیں حدیث بیان کرنے کا زیادہ شوق نہ رہا ہو۔ غالباً یہ واحد حدیث ہے جو ان سے مروی ہے۔ ان کو اس حدیث سے نہایت شغف تھا' انہوں نے اس کو نہایت محبت کے ساتھ محفوظ کیا تھا اور اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کی تھی۔ چنانچہ بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ سنا ہوا تھا' جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' وہ بھی ان کی خدمت میں خاص طور پر حاضر ہو کر اس روایت کو سنتے تھے۔ اس لیے کہ اس روایت میں انؓ کا درجہ بہت بلند ہے۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں ''عن قتادة عن أنس بن مالك عن مالك بن صعصعة'' کی اسناد سے روایت کرتے ہیں۔ مسلم شریف میں یہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے براہِ راست مروی بھی موجود ہے۔ ہم اس روایت کا لفظ بہ لفظ مطالعہ کرتے ہیں۔ اس سے' ان شاء اللہ العزیز' اس ضمن میں بہت سے اشکالات دور ہو جائیں گے۔ حدیث یہ ہے:

عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ اُسْرِیَ بِهٖ

''حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیں وہ حالات و واقعات سنائے جو اُس رات کو پیش آئے' جس رات آپؐ کو لے جایا گیا''۔ یعنی واقعۂ معراج بیان فرمایا۔ اب دیکھئے' یہ مرفوع حدیث ہو گئی۔ آگے روایت کرتے ہیں کہ نبی

اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((بَیْنَمَا اَنَا فِی الْحَطِیْمِ - وَرُبَّمَا قَالَ فِی الْحِجْرِ - مُضْطَجِعًا اِذْ اَتَانِیْ آتٍ)) ''اس اثنا میں کہ میں حطیم — یا شاید حجر کا لفظ ارشاد فرمایا (حجر بھی حطیم کے ایک حصے کو کہتے ہیں) میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا آیا''۔ یہ آنے والے کون ہیں؟ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں' یہ آگے واضح ہو جائے گا۔ ((فَشَقَّ مَابَیْنَ هٰذِهٖ اِلٰی هٰذِهٖ [مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهٖ اِلٰی شِعْرَتِهٖ] فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِیْ)) ''حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ ''اُس نے یہاں سے وہاں تک میرا سینہ چاک کیا [یعنی حلق کے گڑھے سے لے کر ناف تک] پھر میرا دل نکالا۔'' ((ثُمَّ اُتِیْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوْءَةٍ اِیْمَانًا فَغُسِلَ قَلْبِیْ)) ''پھر ایک سنہری طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا' پھر اس سے میرا دل دھویا گیا''۔ وفی روایۃ: ((ثُمَّ غُسِلَ الْبَطْنُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِیَٔ اِیْمَانًا وَحِکْمَةً)) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ''اسی طرح پیٹ کو بھی زمزم سے دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیے گئے''۔ ((ثُمَّ اُتِیْتُ بِدَابَّةٍ' دُوْنَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ' اَبْیَضَ' یُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ)) ''پھر میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا' وہ بالکل سفید تھا' اس کا نام بُراق ہے''۔ ((یَضَعُ خَطْوَهٗ عِنْدَ اَقْصٰی طَرْفِهٖ)) ''اس کا ہر قدم' اس کی حدِ نگاہ تک پڑتا تھا''۔ ((فَحُمِلْتُ عَلَیْهِ)) ''پس مجھے اس پر سوار کیا گیا''۔ ((فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرِیْلُ)) ''اور جبرائیلؑ میرے ساتھ چلے''۔ اب یہاں نام کے ساتھ صراحت ہو گئی کہ آنے والے حضرت جبرائیلؑ تھے۔ ((حَتّٰی اَتَی السَّمَاءَ الدُّنْیَا)) ''یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا تک پہنچ گئے''۔ یعنی یہ پہلا آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے۔

اس روایت میں سفرِ معراج کے زمینی حصہ کا ذکر نہیں ہوا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور دوسری روایات جوڑ کر اس خلا کو پُر کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے سفرِ معراج کا پہلا حصہ زمینی سفر پر مشتمل ہے۔ یعنی پہلے آپ مسجد اقصیٰ تک پہنچے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں نے اپنی سواری بُراق کو اُس جگہ باندھا جہاں انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں بہت سے لوگ نماز

کے لیے جمع تھے۔ میں منتظر تھا کہ کون امامت کرائے گا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کیا' میں نے نماز پڑھائی اور پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ آپؐ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے وہ تمام انبیاء ہیں جو دنیا میں مبعوث ہوئے اور آج آپؐ نے ان سب کی امامت کی"۔ یہ علامت ہے نبی اکرم ﷺ کے سید الانبیاء والمرسلین ہونے کی۔ پھر یہاں سے آسمانی سفر کا آغاز ہوا۔

اب پھر اسی روایت کا سلسلہ جوڑتے ہیں جو بیان ہو رہی تھی۔ حضور ﷺ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پہلے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبرائیلؑ نے دستک دی۔ ((فَاسْتَفْتَحَ)) "پس اُس نے دروازہ کھلوانا چاہا"۔ ((فَقِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ)) "تو پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جبرائیل"۔ ((قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟)) "پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟" یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ آسمانِ اوّل کے دروازے پر تعینات فرشتوں کو معلوم ہو' پھر بھی پوچھ رہے ہوں۔ قانون قانون ہے' لہٰذا دروازے پر دستک دینی ہوگی اور شناخت کرانی ہوگی۔ کوئی جج اپنے علم کی بنیاد پر کبھی فیصلہ نہیں دے گا۔ فیصلہ تو مقدمے کی سماعت اور شہادتوں کی بنیاد پر ہی ہوگا۔ کسی جج کو کسی واقعے کا ذاتی علم ہے تو بھی اسے مقدمہ کسی عدالت کو منتقل کرنا ہوگا اور وہاں گواہ کی حیثیت سے پیش ہونا ہوگا۔ پس قانون قانون ہے۔ "پوچھا گیا ساتھ کون ہے؟" ((قَالَ: مُحَمَّدٌ)) "حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا محمد (ﷺ)"۔ ((قِيْلَ: وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ)) "پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں"۔ ((قِيْلَ: مَرْحَبًا بِهٖ' فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ' فَفَتَحَ)) "اس کے بعد کہا گیا: مرحبا ہے ان کے لیے (تہنیت ہے' مبارک باد ہے' خوش آمدید ہے) کیا ہی اچھے ہیں جو لائے گئے ہیں۔ پھر سماءِ دنیا کا دروازہ کھولا گیا"۔ ((فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا فِيْهَا آدَمُ)) "پھر جب میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا وہاں آدم (علیہ السلام) تشریف فرما ہیں"۔ ((فَقَالَ: هٰذَا اَبُوْكَ آدَمُ' فَسَلِّمْ عَلَيْهِ' فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ)) "جبرائیلؑ نے کہا: یہ آپؐ کے جدِ امجد حضرت آدمؑ ہیں' پس آپؐ ان کو سلام کیجیے' تو میں

نے ان کو سلام کیا''۔ ((فَرَدَّ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) ''انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید ہے (تہنیت ہے) صالح بیٹے اور صالح نبی کے لیے۔''

((ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ)) ''پھر جبرائیل مجھے لے کر اور اوپر گئے یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچ گئے''۔ یہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے۔ ((فَاسْتَفْتَحَ، قِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ جِبْرِيْلُ، قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ (ﷺ) قِيْلَ: وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيْلَ: مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ، فَفَتَحَ)) اس ساری عبارت کا ترجمہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ((فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ، قَالَ: هٰذَا يَحْيٰى وَعِيْسٰى، فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا، فَسَلَّمْتُ، فَرَدَّا ثُمَّ قَالَا: مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) ''پھر جب میں (دوسرے آسمان میں) داخل ہوا تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) تھے اور یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبریلؑ نے کہا: یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں، ان کو سلام کیجیے، تو میں نے سلام کیا۔ انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید، مرحبا صالح بھائی اور صالح نبی کو''۔ یہاں غور کیجیے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور ﷺ کا استقبال ''بیٹا'' کہہ کر کیا، جبکہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے ''بھائی'' کہہ کر خیر مقدم کیا۔ یہ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام تو کل بنی نوعِ انسان کے جدِ امجد ہیں، جبکہ حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، چنانچہ وہ بیٹا کہنے کے بجائے ''بھائی'' کہتے ہیں۔ اسی طرح آگے حضرات یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام آپ ﷺ کو بھائی کہیں گے اور آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹا کہیں گے کیونکہ آنحضور ﷺ ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

آگے چلیے، نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ((ثُمَّ صَعِدَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ، قِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ، قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ (ﷺ) قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيْلَ: مَرْحَبًا بِهٖ، فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ، فَفَتَحَ، فَلَمَّا

خَلَصْتُ فَإِذَا يُوْسُفُ، قَالَ: هٰذَا يُوْسُفُ، فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ، ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) یعنی تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور وہی مکالمہ ہوا۔

اسی طرح چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر حدیث میں اس طرح ہے کہ سلام کے تبادلہ کے بعد ((فَلَمَّا جَاوَزْتُهُ بَكٰى)) ''جب میں آگے جانے لگا تو موسیٰؑ رونے لگے''۔ ((قِيْلَ لَهُ مَا يُبْكِيْكَ؟)) ''ان سے پوچھا گیا: آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟'' ((قَالَ: أَبْكِيْ، لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِيْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِيْ)) ''موسیٰ نے کہا کہ مجھے اس بات پر رونا آ رہا ہے کہ یہ جوان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جن کی بعثت میرے بہت بعد ہوئی ہے (اس کے باوجود) ان کی امت سے جنت میں داخل ہونے والوں کی تعداد میری امت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوگی''۔ وہ شفقت والفت جو کسی نبی کو اپنی امت سے ہونی چاہیے یہ اس کا بکمال وتمام اظہار ہے۔ اسے معاذ اللہ کسی حسد پر محمول نہ کر لیجئے گا، بلکہ یہ اپنی امت کی محرومی کا احساس ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ کیفیت طاری ہوئی۔

((ثُمَّ صَعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ.....)) ''پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا''۔ وہاں بھی داخلہ کے لیے فرشتوں سے مکالمہ ہوا۔ اس آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ((فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا إِبْرَاهِيْمُ، قَالَ: هٰذَا أَبُوْكَ إِبْرَاهِيْمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْإِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) ''پھر جب میں داخل ہوا تو وہاں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تھے۔ جبریل نے کہا: یہ آپ کے جد حضرت ابراہیم ہیں، انہیں سلام کیجئے، چنانچہ میں نے انہیں سلام کیا، جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کہا اور ان الفاظ سے میرا استقبال کیا: خوش آمدید ہو صالح بیٹے اور صالح نبی کے لیے۔''

((ثُمَّ رُفِعْتُ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى)) ''پھر مجھے اور بلند کیا گیا سدرۃ المنتہیٰ

تک"۔ یہاں نوٹ کیجئے "صَعِدَ بِیْ" کی جگہ "رُفِعْتُ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے، جس کا ذکر سورۃ النجم میں ہوا ہے۔

سورۃ النجم میں مشاہداتِ معراج کا ذکر

میں چاہتا ہوں کہ حدیث کے بیان کی تکمیل سے قبل ہم اس واقعہ سے متعلق سورۃ النجم کی آیات کا مطالعہ بھی کر لیں۔ سورۃ النجم کی ابتدائی آیات مشکلات القرآن میں سے ہیں اور ان کی تفسیر و تشریح میں اختلاف سلف سے چلے آ رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو جو مشاہدات کرائے گئے اور جن کا ذکر سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں ہوا ہے، اس وقت میں ان سب سے بحث نہیں کروں گا، البتہ جس مشاہدے کا ذکر آیات ۱۱ تا ۱۸ میں آیا ہے، میں اس کا ذکر کروں گا، کیونکہ ان آیات کا تعلق تقریباً تمام مفسرین و علمائے امت کے نزدیک واقعۂ معراج سے ہے۔ فرمایا ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪﴾ "جو کچھ انہوں (ﷺ) نے اپنی نگاہوں سے دیکھا اس کو ان کے دل نے جھٹلایا نہیں"۔ اس کی طرف میں قبل ازیں اشارہ کر چکا ہوں کہ ایک ہمارا مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ وسوسے بھی ہوتے ہیں کہ یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا یہ واقعتاً ایسا ہی ہے؟ جو آگ سامنے نظر آ رہی ہے وہ درحقیقت آگ ہے یا آگ کی سی صورت ہے؟ آج کل تو اس طرح کے لیمپ اور ہیٹر بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ انسان کو ان کے اندر حقیقی انگارے دہکتے نظر آتے ہیں، ان سے انسان دھوکہ کھا سکتا ہے، حالانکہ انگاروں کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ تو ہماری آنکھ دھوکہ کھا جاتی ہے، لیکن نبیؐ کا جو مشاہدہ ہوتا ہے وہ آنکھ اور دل، نظر و قلب، بصارت و بصیرت کی یکجائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں فرق و تفاوت اور وسوسہ نہیں ہوتا۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لیے نہایت فصاحت و بلاغت اور اعجاز و ایجاز کے ساتھ فرمایا: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪﴾

آگے فرمایا: ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫﴾ "لوگو! کیا تم ان چیزوں کے بارے میں ان سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں؟" ان چیزوں کے بارے میں تو جھگڑا ہو سکتا ہے جو کہیں سے سنی سنائی ہوں، لیکن تم محمد (ﷺ) سے ان چیزوں کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جو وہ دیکھتے ہیں چشمِ سر سے اور دل کی بصیرت سے؟ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً

اُخْرٰی ﴿۱۳﴾ ''اور وہ اسے ایک بار اور بھی دیکھ چکا ہے''۔ ہمارے رسول ﷺ کا یہ مشاہدہ پہلی بار نہیں ہوا' ایک مرتبہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ موجودہ مشاہدہ ان کو کہاں ہوا؟ ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾﴾ ''سدرۃ المنتہیٰ کے پاس''۔ ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾﴾ ''اسی (سدرۃ المنتہیٰ) کے پاس جنت الماویٰ ہے''۔ وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو اللہ کے نیکوکار بندوں کا ٹھکانہ بنے گی' جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ جس کے متعلق سورۃ الزمر میں فرمایا گیا: ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾﴾ ''اور جنت کے داروغہ ان (نیکوکاروں) سے کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر' تم بہت خوش بخت رہے' داخل ہو جاؤ اس (جنت) میں ہمیشہ ہمیش کے لیے''۔ یہاں نوٹ کر لیجئے کہ احادیث میں معراج کے موقع پر جنت کے مشاہدات کے جو احوال آئے ہیں' وہ جنت وہیں تو ہے۔ ان آیات میں ان احوال کا ذکر نہیں ہے۔

''سدرہ'' عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ لفظ ''منتہیٰ'' انتہا سے بنا ہے' جس کا مفہوم وہ جگہ اور مقام ہے جہاں جا کر کوئی چیز ختم ہو جائے۔ یہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کیا ہے! اس کا سمجھنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اس کے متعلق میں آگے چل کر کچھ عرض کروں گا۔ قرآن مجید نے یہاں ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ ہر شخص اس اسلوب سے یہ جان لے کہ یہ میرے فہم سے بالاتر ہے۔ یہ منتہیٰ کس اعتبار سے ہے' اب اس کو سمجھنا چاہیے۔ یہ اس اعتبار سے ''منتہیٰ'' ہے کہ یہاں سے آگے مخلوق کا گزر نہیں ہے۔ یہ انتہا ہے۔ یہاں سے آگے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی نہیں جا سکتے۔ اور نوٹ کیجئے کہ اس سے آگے جانے کا کہیں محمد رسول اللہ ﷺ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ یہ صرف ہماری شاعری میں ہے کہ حضور ﷺ اس سے بھی آگے گزر گئے۔ لیکن اس کا قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ بھی یہیں تک گئے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اس بارے میں بھی وضاحت آئی ہے کہ وحی الٰہی بھی یہاں نازل ہوتی ہے اور یہاں سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ گویا جو چیز بھی عرشِ الٰہی سے اترتی ہے' وہ بلاواسطہ اوّلاً یہیں نازل ہوتی ہے۔ اس سے آگے وہ حریم کبریا ہے جس میں مخلوق کا داخلہ ممکن نہیں

ہے۔ عالمِ خلق کی کوئی شے جو کبھی اوپر آ سکتی ہے' وہ زیادہ سے زیادہ یہیں تک آ سکتی ہے' اس سے آگے نہیں جا سکتی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رسائی بھی یہیں تک ہے۔ لہٰذا نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید نے جو ذکر کیا وہ سدرۃ المنتہیٰ کے آگے یا پار کا نہیں کیا' بلکہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿١٣﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾﴾

آگے فرمایا: ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾﴾ ''جب کہ اس بیری کے درخت کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوئے تھا''۔ یعنی نہ اس کو زبان ادا کر سکتی ہے' نہ انسانی زبان میں وہ حروف و الفاظ ہیں جو اس کیفیت کو بیان کر سکیں یا اس کی تعبیر کر سکیں' نہ اس کا کوئی تصور انسان کے لیے ممکن ہے۔ جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے: ((مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ))(۱) ''وہ نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں' نہ کسی کان نے سنیں' نہ کسی انسان کے دل پر کبھی ان کا خیال تک آیا''۔ اب انہیں بیان کریں تو کن الفاظ میں کریں! ان کا ابلاغ و اعلان کیسے ہو! وہ communicate کیسے ہوں! — ابلاغ اور اعلان تو کسی ایسی چیز کے حوالے سے ہوتا ہے جس کا آپ کو تجربہ ہو' وہ آپ کی دید یا شنید میں آئی ہو' آپ کے ذہن میں اس کا کوئی تصور ہو' تو اس کے حوالے سے بات ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہاں اسلوب اور انداز یہ اختیار کیا گیا: ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾﴾ ''جبکہ سدرہ کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوا تھا''۔ تجلیاتِ ربانی کس نوعیت اور کس کیفیت کی حامل تھیں' اسے سمجھنا انسانی ذہن کے لیے ممکن نہیں' تجلیات کا جو براہِ راست نزول ہو رہا تھا' اس مہبطِ تجلیات اور ان کے نزول کا نبی اکرم ﷺ نے مشاہدہ فرمایا۔

معراج اور رؤیتِ باری تعالیٰ

ہماری شاعری میں بے انتہا مبالغے ہو جایا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال جو کچھ بھی تھے بہر حال شاعر بھی تھے اور شاعری میں مبالغہ لازماً ہو جاتا ہے' لہٰذا کہتے ہیں: ؎

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق و کتاب تفسیر القرآن و کتاب التوحید۔ باب قول اللّٰہ تعالیٰ یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰہ۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری و تبسمی!

یعنی ''موسیٰ علیہ السلام تو ایک جلوۂ صفات ہی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے ﴿خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا﴾ جبکہ آپؐ عین ذات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں''۔ میرے نزدیک یہ مبالغہ ہے' عین ذات کے مشاہدے کا ذکر نہ قرآن میں ہے' نہ حدیث میں۔ تاہم اس ضمن میں اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلا آ رہا ہے۔ یہ اختلاف سلف میں بھی ہے اور خلف میں بھی۔ لہٰذا کوئی یہ رائے رکھنا چاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا تو رکھے۔ میں نے آغاز ہی میں واضح کر دیا تھا کہ اس واقعۂ معراج کا بالکلیہ انکار کفر ہوگا' لیکن تفصیلات اور توجیہات و تاویلات کا اختلاف کفر نہیں ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شبِ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا' براہِ راست دیدارِ الٰہی ہوا۔ لیکن زیادہ قوی رائے یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا براہِ راست مشاہدہ نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''نُوْرٌ اَنّٰی یُرٰی؟'' یعنی ''اللہ تو ایک نور ہے' اسے دیکھا کیسے جا سکتا ہے؟'' آپ نور کے ذریعے سے کسی اور شے کو دیکھتے ہیں' نور تو نور ہے' اس کو کہاں دیکھا جا سکتا ہے! نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ﴿۱۸﴾ (النجم)

درمیانی آیت کے متعلق تو میں بعد میں عرض کروں گا' پہلے آخری آیت پر غور کیجئے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا! ''بے شک انہوں نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھا''۔ ''کُبْرٰی'' اسم تفضیل ہے۔ پس یہاں عظیم ترین آیاتِ ربانیہ کے مشاہدے کا ذکر ہے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کا نہیں' آیاتِ ربانیہ کا مشاہدہ ہوا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں معراج کے زمینی سفر کی غرض و غایت یہ بیان ہوئی کہ ﴿لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ یعنی یہ سفر اس لیے کرایا گیا کہ ہم اپنے رسول کو اپنی آیات میں سے چند ایک کا مشاہدہ کرائیں۔ وہاں ''کبریٰ'' نہیں آیا۔ وہ زمینی آیات ہیں' وہ

بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ لیکن عظیم ترین آیاتِ الٰہیہ وہ ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں، جن کا رسول اللہ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا۔

اس حوالے سے اگر تقابل کیا جائے تو غلط نہیں ہوگا اور اس اعتبار سے فضیلتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ثابت کی جائے تو درست ہوگی کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی ایک تجلی جو کوہِ طور پر پڑی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا بھی تحمل نہ کر سکے اور یہاں تجلیاتِ ربانیہ کا سدرۃ المنتہیٰ پر براہِ راست جو نزول ہو رہا تھا جناب محمد ﷺ نے انہیں بھرپور انداز میں دیکھا اور ان کا تحمل کیا۔ اس اعتبار سے فرق و تفاوت ثابت ہے۔ لیکن اگر یہاں ذاتِ باری تعالیٰ کے دیدار کو لایا جائے تو یہ بلاسند ہے، اس کی قرآن یا حدیث میں سند موجود نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ اتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اس کی صراحت کر دی جاتی یا کم از کم حدیث میں ہی اس کی تصریح ہوتی۔ ہاں بعض صحابہؓ کے یہ اقوال کہ آپؐ شبِ معراج میں دیدارِ الٰہی سے بھی مشرف ہوئے تھے، سند کے ساتھ منقول ہیں۔ لیکن عظیم اکثریت کی رائے یہی ہے کہ شبِ معراج میں حضور ﷺ کو دیدارِ الٰہی نہیں ہوا۔ جمہور اہلِ سنت کی رائے بھی یہی ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو آنکھیں عطا کی ہیں اور ان میں بصارت کی جو صلاحیت رکھی ہے وہ دیدارِ الٰہی کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ یہ رائے رکھنے والے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم اس کے لیے قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾﴾ (الانعام) ''نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے، وہ نہایت باریک بیں اور باخبر ہے''۔ البتہ قیامت کے روز اہلِ ایمان دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بعث بعد الموت پر ان کو وہ بصارت عطا فرمائے گا جو دیدارِ الٰہی کا تحمل کر سکے گی۔ سورۃ القیامہ میں ارشاد ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾﴾ ''کچھ چہرے اُس روز تر و تازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔ نیز حدیث میں بھی آیا ہے کہ اہلِ جنت کے لیے سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہوا کرے گی۔ (رؤیتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں بعض اہم احادیث اس کتابچے کے

آخر میں ''ضمیمہ'' میں ملاحظہ کر لی جائیں۔)

''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی'' کا مفہوم: اب میں سورۃ النجم کی آیت ۱۷ کے متعلق کچھ عرض کروں گا جس کی تشریح و توضیح مؤخر کی گئی تھی' یعنی: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ⑰﴾ اس مقام پر بڑی عجیب کیفیت بیان کی گئی ہے اور اس آیت کو سمجھنا آسان نہیں ہے جب تک آپ چند کیفیات کو اچھی طرح جان نہ لیں۔ ہمارے اپنے مشاہدے کے بارے میں ایک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ مشاہدے کا شوق ہے اور وہ شوق اتنا ہے کہ حدِ ادب سے بھی تجاوز کرنا چاہتا ہے لیکن ظرف اتنا نہیں ہے کہ دیکھ سکے۔ حسرت موہانی کا ایک شعر ہے ؎

غمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتائیں
مرے شوق کی بلندی' مری ہمتوں کی پستی!

شوق بہت بلند ہے' دیکھنا بہت کچھ چاہتے ہیں' لیکن آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں' دیکھ ہی نہیں سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیتِ قرآنیہ: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝﴾ ان دو متضاد کیفیات کو نہایت بلیغ اسلوب سے بیان کر رہی ہے۔ جیسے عربی کا مقولہ ہے کہ ''تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا'' یعنی کسی شے کی حقیقت کو اس کی ضد (antonym) کے حوالے سے بخوبی پہچانا جا سکتا ہے۔ جیسے رات کی حقیقت دن کے تقابل سے سمجھ میں آتی ہے اور دن کی حقیقت رات کے تقابل سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اب علامہ اقبال کا وہ شعر ملاحظہ ہو جو ان کی نظم ''ذوق و شوق'' میں ہے۔ علامہ کی یہ نظم میرے نزدیک ان کے اردو کلام کی معراج (climax) ہے۔ اس نظم کے آخری حصے کا ایک شعر ہے ؎

عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جُو رہی میری نگاہِ بے ادب!

دونوں اعتبارات سے جو ضد ہے اسے اقبال اس شعر میں لائے ہیں۔ یعنی ایک طرف میری نگاہ میں بے ادبی تھی' اور وہ چوری چوری بھی کچھ دیکھ لینا چاہتی تھی جس کا دیکھنا ادب کے خلاف ہے۔ لیکن دوسری طرف حوصلۂ نظر نہیں تھا' لہٰذا دیکھ نہیں سکی۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب اس مشاہدے کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کریں جو مشاہدہ

محمد رسول اللہ ﷺ کر رہے ہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ مشاہدہ اللہ کا نہیں' بلکہ "اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى" کا مشاہدہ ہے۔ لیکن اس مشاہدے کی شان یہ ہے کہ نگاہ جمی رہی۔ یہ ظرف ہے محمدِ عربی ﷺ کا' کہ نگاہیں چکا چوند نہیں ہوئیں۔ جہاں تیز روشنی ہو نگاہیں اس کا تحمل نہیں کر سکتیں اور دیکھنے والا نگاہ ہٹانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن وہاں حال یہ ہے کہ "مَا زَاغَ الْبَصَرُ" نگاہ کج نہیں ہوئی' ٹیڑھی نہیں ہوئی۔ جو کچھ دیکھا ہے نگاہ کو جما کر دیکھا ہے' جو مشاہدہ کیا ہے' بھرپور کیا ہے' پورے ظرفِ کامل کے ساتھ کیا ہے' پورے تحمل کے ساتھ کیا ہے' لیکن: "وَمَا طَغٰى" حد سے تجاوز نہیں کیا' بے ادبی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ "طَغٰى" ہی سے طغیانی بنا ہے' یعنی حد سے نکل جانا۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

'طَغٰى' حد سے تجاوز کو کہتے ہیں۔ وہ چونکہ مقامِ ادب بھی ہے' لہٰذا وہاں حد سے تجاوز نہیں ہوا۔ العبدُ عبدٌ وَاِنْ تَرَقّٰى' وَالرَّبُّ ربٌّ وَاِن تَنَزَّل "بندہ بندہ ہی رہے گا خواہ کتنے بلند مقام تک پہنچ جائے اور رب رب ہی رہے گا خواہ کتنا ہی نزولِ اجلال فرمالے"۔ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر بھی محمد ﷺ مقامِ بندگی سے تجاوز نہیں کر رہے ہیں۔ وہاں بھی حال یہ ہے کہ: ﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ⑩﴾ "پس (وہاں بھی) وحی پہنچائی اپنے بندے کو جو وحی پہنچانی تھی"۔ لیکن عَبدہٗ وَرَسولُہ کے مشاہدے کی کیفیت یہ ہے کہ ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰﴾ "نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ ہی اس نے حد سے تجاوز کیا"۔ ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱﴾ "بالتحقیق انہوں نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات کا مشاہدہ کیا"۔ اب ظاہر بات ہے کہ یہ آیاتِ کبریٰ ہمارے تخیل و تصور سے بالاتر ہیں اور انسانی زبان کے الفاظ ان کے بیان کا تحمل بھی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بھی ان کا ذکر مجمل طور پر ہی کیا گیا ہے۔

حدیثِ معراج کا تسلسل

اب ہم دوبارہ زیرِ مطالعہ حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس میں سدرۃ

المنتہیٰ کی بات شروع ہوئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ سے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ((ثُمَّ رُفِعْتُ اِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی)) ''پھر مجھے اُٹھا لیا گیا سدرۃ المنتہیٰ تک''۔ ((فَاِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ، وَاِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ)) اب حضور ﷺ سدرۃ المنتہیٰ کی کچھ باتیں ہماری زبان میں سمجھا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ: ''اُس بیری کے درخت کے بیر تو علاقہ ہجر کے مٹکوں کے حجم کے تھے اور اُس کے پتے ہاتھی کے کانوں جتنے بڑے تھے''۔ ((قَالَ: هٰذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی)) ''(حضرت جبرائیلؑ نے) کہا: یہ ہے سدرۃ المنتہیٰ''۔ ((وَاِذَا اَرْبَعَةُ اَنْهَارٍ: نَهْرَانِ بَاطِنَانِ، وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ)) ''میں نے وہاں چار نہریں دیکھیں، دو نہریں خفیہ طور پر اور دو ظاہر طور پر بہہ رہی تھیں''۔ ((فَقُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ؟)) ''تو میں نے پوچھا: جبرائیل! یہ کیا ہیں؟'' ((قَالَ: اَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِی الْجَنَّةِ)) ''یہ جو دو ڈھکی ہوئی نہریں جاری ہیں یہ تو جنت کی نہریں ہیں (ایک کوثر اور دوسری سلسبیل)''۔ ((وَاَمَّا الظَّاهِرَانِ، فَالنِّيْلُ وَالْفُرَاتُ)) ''اور یہ جو ظاہری نہریں جاری ہیں یہ نیل اور فرات ہیں''۔ یعنی جن کا مادی پرتو ہمیں دنیا میں نظر آتا ہے۔

((ثُمَّ رُفِعَ لِیَ الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ)) ''پھر بیت المعمور میرے قریب لایا گیا''۔ بیت المعمور درحقیقت ساتویں آسمان پر اللہ تعالیٰ کا اصل گھر ہے، جس کا ظل اور سایہ اس دنیا میں خانہ کعبہ ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جبرائیلؑ نے اس کے بارے میں بتایا: ((يُصَلِّی فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ، اِذَا خَرَجُوْا لَمْ يَعُوْدُوْا اِلَيْهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِمْ)) ''اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جب ایک بار اس سے نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کے داخلے کی نوبت نہیں آتی''۔ اسی طریقے سے فرشتے بیت الحرام میں خانہ کعبہ کا بھی طواف کرتے ہیں۔ پھر جان لیجئے کہ یہ ہماری نگاہوں سے مخفی عالمِ غیب کی ایک دنیا ہے۔ یقیناً اس کا ایک وجود ہے، چاہے وہ ہمیں نظر نہ آئے۔ (واضح رہے کہ بخاری و مسلم کی بعض روایات میں بیت المعمور کا ذکر سدرۃ المنتہیٰ سے مقدم ہے) ((ثُمَّ اُتِيْتُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ، وَاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ، وَاِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ)) ''پھر میرے سامنے تین

برتن لائے گئے' ایک شراب کا' ایک دودھ کا اور ایک شہد کا'' ((فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ)) ''تو میں نے دودھ والا پیالہ اُٹھالیا'' ((قَالَ: هِيَ الْفِطْرَةُ الَّتِيْ اَنْتَ عَلَيْهَا وَاُمَّتُكَ)) ''حضرت جبرائیلؑ نے کہا: یہی مطابقِ فطرت ہے' جس پر آپؐ بھی ہیں اور آپؐ کی اُمت بھی''۔ یعنی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے انتخاب کی توثیق کی۔ یہی بات اس آیت میں فرمائی گئی ہے: ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اسی فطرتِ انسانی کا انتخاب فرمایا جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا۔

اُمت کے لیے معراج کے تحفے: نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا: ((ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلَوَاتُ' خَمْسِيْنَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ)) ''پھر مجھ پر (اور میری امت پر) پچاس نمازیں یومیہ فرض کی گئیں''۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مجھے اس موقع پر تین چیزیں عطا کی گئیں: ایک تو پچاس نمازیں ایک دن رات میں فرض ہوئیں اور دوسری سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۠ وَاغْفِرْ لَنَا ۠ وَارْحَمْنَا ۠ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور تیسری چیز یہ کہ آپؐ کی اُمت کے گناہ کبیرہ بھی بغیر توبہ کے معاف ہوسکیں گے۔ یہ خصوصی تحفے ہیں جو بارگاہِ ربّ العزت سے اس مقام پر شبِ معراج میں محمد رسول اللہ ﷺ کو امت کے لیے عطا ہوئے۔ اس میں اوّلین صلوٰۃ ہے۔ یہ معراج میں فرض ہوئی' لہٰذا اس کے متعلق اولیاء کرامؒ کا قول ہے: ''اَلصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' یعنی نماز اہلِ ایمان کے لیے بمنزلہ معراج ہے۔

پھر اسی روایت میں آگے تفصیل آ رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب واپسی کے لیے آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا: ''یہ پچاس نمازیں بہت زیادہ ہیں' مجھے لوگوں کا تجربہ ہے' آپ کی امت اس کا تحمل نہ کر سکے گی' واپس جایئے اور تخفیف کے لیے درخواست کیجیے''۔ حضور ﷺ واپس گئے تو دس نمازیں معاف ہو گئیں' چالیس رہ گئیں۔ پھر آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے پھر وہی بات کہی اور آپ کو واپس بھیجا۔ پھر گئے تو تیس ہو گئیں' اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھیجنے پر پھر گئے تو بیس ہو گئیں' پھر تشریف لے گئے تو دس رہ گئیں۔ اس پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی بات کہی۔ آپ ﷺ پھر گئے تو اب پانچ رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر بھی کہا کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کے لیے درخواست کیجیے' پانچ نمازیں بھی آپؐ کی اُمت کے لیے بھاری ہوں گی۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے شرم آتی ہے' اتنی مرتبہ جا چکا ہوں کہ اب مزید جانے میں حیا محسوس کر رہا ہوں' لہٰذا میں اسی پر راضی ہوں اور اس معاملے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''جب میں موسیٰؑ کے پاس سے واپسی کے لیے روانہ ہوا تو ایک ندا کرنے والے کی ندا آئی کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ''میں نے اپنے فرض کو نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے' اور میں نیکی کا بدلہ دس گنا دیتا ہوں''۔ ایک دوسری متفق علیہ روایت کے آخر میں اس کا ذکر ہے کہ ''اللہ کے ہاں یہ پانچ نمازیں اجر و ثواب کے حساب سے پچاس نمازوں کے مساوی ہیں' اللہ تعالیٰ کے ہاں قول بدلا نہیں جاتا''۔ میں نے بقیہ حدیث کی ترجمانی اپنے الفاظ میں کر دی ہے۔ اب اس کے آخری حصے کا متن بھی ملاحظہ کر لیجیے:

((فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی' فَقَالَ: بِمَ اُمِرْتَ؟ قُلْتُ: اُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ' قَالَ: اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ' وَاِنِّی قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ' وَعَالَجْتُ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ' فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ' فَاسْاَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ' قَالَ: سَاَلْتُ رَبِّیْ حَتّٰی اسْتَحْيَيْتُ وَلٰكِنِّیْ اَرْضٰی وَاُسَلِّمُ' قَالَ: فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادٰی مُنَادٍ: اَمْضَيْتُ فَرِيْضَتِیْ

وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِیْ وَاَجْزِی الْحَسَنَةَ عَشْرًا))

صحیح بخاری میں یہ حدیث کتاب بدء الخلق' باب ذکر الملائکۃ اور کتاب المناقب' باب المعراج میں وارد ہوئی ہے' جبکہ صحیح مسلم میں کم و بیش الفاظ کے ساتھ کتاب الایمان' باب الاسراء بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِلَی السَّمَاوات وفرض الصلوات میں بھی آئی ہے۔ اس متفق علیہ روایت کے علاوہ بھی واقعۂ معراج کے متعلق کثیر روایات موجود ہیں۔ آنحضور ﷺ کو جنت و دوزخ کے جو مشاہدات کرائے گئے وہ دوسری روایات میں مذکور ہیں' لیکن اسناد کے اعتبار سے کسی دوسری روایت کا وہ درجہ اور مرتبہ نہیں ہے جو اس روایت کا ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ پھر حضور ﷺ واپس مسجد اقصیٰ تشریف لائے اور وہاں سے بُراق پر مکہ مکرمہ مراجعت ہوئی۔ میں چند دوسری روایات کی روشنی میں عرض کر چکا ہوں کہ اس پورے سفر معراج کے دوران وقت بالکل نہیں گزرا۔ گویا وقت کہیں روک دیا گیا اور پوری کائنات کو کہیں تھام دیا گیا۔ یہ بات تو وہ ہے جو آج سے پہلے بھی سمجھ میں آ سکتی تھی کہ شاید کسی ایک وقت پر پوری کائنات کو روک دیا گیا ہو اور کسی کے لیے بھی وقت بالکل نہ گزرا ہو۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اِس وقت تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ سب کے لیے وقت گزر رہا ہو' لیکن صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے نہ گزرے۔ تاہم یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس پورے سفر کے لیے وقت کی رفتار کو روک دیا گیا ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ع ''آگے بڑھو یا وقت کی رفتار روک دو!''..... تو یہ وقت کی رفتار محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے روک دی گئی تھی۔ واللہ اعلم!!

مشرکین کا ردِّ عمل

اس واقعہ کو نبی اکرم ﷺ نے جب ایک مجمع میں سنایا تو اس پر جو ردّ عمل اور جو ہنگامہ ہونا تھا' وہ ہوا۔ یہاں تک بھی ہوا کہ بعض مومنین صادقین متزلزل' متردّد اور متذبذب ہو گئے۔ مشرکین مکہ نے بغلیں بجائیں کہ اب ہمیں اپنے پروپیگنڈے کے لیے بڑا سنہری موقع مل گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تو یہ شک ہی کی بات تھی کہ (نقلِ کفر' کفر

نہ باشد) ان کو کچھ خللِ دماغ کا عارضہ ہے' اب تو ثابت ہوگیا' اب تو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ آپ حضرات خود اس کا اندازہ کیجیے کہ یہ واقعہ مکہ میں مجمع عام میں بیان کیا جارہا ہے' جہاں منکرینِ نبوت کی عظیم ترین اکثریت ہے' وہاں کیسی ہنگامہ آرائی ہوئی ہوگی! پھر مشرکین کی جانب سے امتحانی سوالات کیے گئے: اچھا! یہ بتایئے کہ مسجدِ اقصیٰ کے ستون کتنے ہیں؟ وہاں کی کھڑکیاں کیسی ہیں؟ فرش کیسا ہے؟ وغیرہ وغیرہ —— حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا۔ اس لیے کہ ایسی تفصیلات کس کو یاد رہتی ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ میں جا کر حضور ﷺ ستون تو نہیں گنتے رہے تھے۔ لیکن جب ایسے سوالات کیے جارہے تھے تو عین ممکن تھا کہ مجمع میں تالی پٹ جائے' مگر اچانک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سامنے مسجد اقصیٰ کو ظاہر کر دیا۔ اب آپؐ دیکھ دیکھ کر ان کے اس طرح کے سوالات کے جوابات دیتے رہے کہ لوگ دنگ ہوتے رہے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے:

عَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ؓ انَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَمَّا كَذَّبَتْنِيْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِيَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ)) (۱)

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا: ''جب مجھ کو قریش نے (واقعہ معراج پر) جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر فرما دیا۔ چنانچہ میں نے ان کو اس کی نشانیاں بتانی شروع کر دیں اور میں اس کو دیکھتا جاتا تھا۔''

میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ کی طرف سے بے شمار مشاہدات کرائے گئے۔ جنت آپؐ کے سامنے لے آئی جاتی ہے' جہنم سامنے لے آئی جاتی ہے۔ بیت المقدس سامنے لے آیا جاتا ہے اور مسجد اقصیٰ کے مشاہدے سے حضور ﷺ ہر سوال کا جواب دیتے ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب حدیث الاسراء' وکتاب تفسیر القرآن' باب قوله اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق

اسی ضمن میں وہ واقعہ آتا ہے کہ چند لوگ دوڑے دوڑے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ پالا ہم مارلیں تو پھر ہماری جیت ہے، اگر ہم ابوبکرؓ کو متزلزل کردیں تو پھر گویا ہمارے لیے کوئی اور مسئلہ نہیں رہے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سن کر ایک مرتبہ تو جھرجھری لی، لیکن آنے والوں سے صرف ایک سوال کیا کہ ''کیا واقعی وہ یہ فرما رہے ہیں؟'' لوگوں نے خوش ہوکر تالیاں بجاتے ہوئے کہا: ہاں ہاں وہ یہ کہہ رہے ہیں، چلو ہم تمہیں اپنے ساتھ لے چلتے ہیں، اپنے کانوں سے سن لو۔ انہوں نے سمجھا کہ ہمارا وار کارگر ہوا ہے، واقعی کوئی تزلزل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے بعد یہ جواب دیا: ''لوگو! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں تو صد فی صد درست کہہ رہے ہیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ روزانہ فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے، اور اگر ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے جایا گیا تو یہ کون سی بڑی شے ہے؟ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں''۔ یہ دن ہے کہ جس دن سے بارگاہِ رسالتؐ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا خطاب عطا ہوا اور اسی روز سے ابوبکر ''صدیق اکبرؓ'' شمار ہوتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

تو یہ تھا وہ سفرِ معراج، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہفت آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ پر موجود اپنی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔

اَقولُ قَولِی هٰذا وَاَستَغفِرُ اللّٰهَ لِی وَلَکُم وَلِسَائِرِ المُسلِمِینَ وَالمُسلِمَاتِ

واقعۂ معراج سے متعلق

چند احادیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ

ذیل میں چند ایسی احادیث پیش کی جا رہی ہیں جن کا براہِ راست یا بالواسطہ حوالہ اس کتابچے میں آیا ہے۔

رؤیتِ باری تعالیٰ کے متعلق احادیث

(۱) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا)) وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَنَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: ((اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ، فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا)) ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾

(صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالی وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ، و کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الفجر و باب فضل صلاۃ العصر۔ ومتعدد دیگر مقامات۔ وصحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظۃ علیھما۔ وسنن الترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ۔ وسنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی الرؤیۃ۔ وسنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فیما انکرت الجھمیۃ)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے پروردگار کو عیاں دیکھو گے“۔ ایک روایت میں ہے: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”تم اپنے رب کی طرف دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔ اگر تم اس بات کی طاقت رکھو کہ تم سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ کر دیے جاؤ تو ایسا ضرور کرو“۔ پھر یہ آیت پڑھی: ”اور تسبیح بیان کرو اپنے پروردگار کی سورج

نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے۔''

(۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ الْغِفَارِی ؓ قَالَ: سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: هَلْ رَاَیْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: ((نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ؟))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله نور انی اراه وفی قوله رأیت نورا)

حضرت ابوذر غفاری ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ تو نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھتا؟''

(۳) عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ: كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ (ؓ) فَقَالَتْ: یَا اَبَا عَائِشَةَ ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ الْفِرْیَةَ قُلْتُ: مَاهُنَّ؟ قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ الْفِرْیَةَ قَالَ: وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ: یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْظِرِیْنِیْ وَلَا تَعْجَلِیْنِیْ اَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ﴾ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی﴾؟ فَقَالَتْ: اَنَا اَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: ((اِنَّمَا هُوَ جِبْرِیْلُ لَمْ اَرَهُ عَلٰی صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَیْهَا غَیْرَ هَاتَیْنِ الْمَرَّتَیْنِ رَاَیْتُهٗ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهٖ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ)) فَقَالَتْ: اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾؟ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَاءُ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ﴾؟ قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ كَتَمَ شَیْئًا مِنْ كِتَابِ اللّٰہِ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ الْفِرْیَةَ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ: ﴿یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ یُخْبِرُ بِمَا یَكُوْنُ فِیْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ الْفِرْیَةَ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ: ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللّٰہ عزوجل ولقد راٰه نزلة اخری..... وسنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الانعام)

جناب مسروقؒ بیان کرتے ہیں: میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس تکیہ لگائے بیٹھا تھا کہ انہوں نے فرمایا: ''اے ابوعائشہ (مسروقؒ کی کنیت) تین باتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی ان میں سے کوئی ایک بات بھی کہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔'' میں نے کہا: وہ کیا

ہیں؟ (حضرت عائشہؓ نے) فرمایا: ''جس کسی کا یہ خیال ہو کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا''۔ مسروقؒ کہتے ہیں: میں تکیہ لگائے ہوئے تھا' (یہ سن کر) میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہا: اُمّ المؤمنین! ٹھہریئے' ذرا میری بات تو سنئے اور جلدی نہ کیجئے' کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا: (ترجمہ) ''اور اُس نے اُس کو روشن افق پر دیکھا ہے''۔ ''اور ایک مرتبہ پھر اس نے (سدرۃ المنتہیٰ کے پاس) اس کو اترتے دیکھا''۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''اس امت میں سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا: ''یہ تو جبریل علیہ السلام (کا ذکر) ہے۔ میں نے ان کو ان کی اصل صورت میں جس پر انہیں پیدا کیا گیا ہے' ان دو مواقع کے سوا کبھی نہیں دیکھا۔ (ان دو مواقع پر) میں نے انہیں آسمان سے نیچے اترتے دیکھا' اور ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی''۔ پھر (حضرت عائشہؓ نے) فرمایا: ''کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ (ترجمہ) ''نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔ وہ بڑا باریک بیں اور باخبر ہے''۔ اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی نہیں سنا؟ ''اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر' یا پردے کے پیچھے سے' یا یہ کہ ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ چاہے' یقیناً وہ بلند مرتبت اور صاحبِ حکمت ہے۔''

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید) فرمایا: ''اور جس کسی کا یہ خیال ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ میں سے کوئی بات چھپائی ہے تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ گھڑا' کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اے رسولؐ' جو کچھ آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے نازل ہوا ہے' وہ لوگوں تک پہنچا دیجئے' اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا''۔ پھر فرمایا: ''اور جو کوئی یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ آنے والے کل کے حالات بتا سکتا ہے اس نے بھی اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔''

(۱) عَنِ ابْنِ عَوْنٍ اَنْبَاَنَا الْقَاسِمُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ وَلٰكِنْ قَدْ رَاٰی جِبْرِيْلَ فِيْ صُوْرَتِهٖ وَخَلْقُهٗ سَادٌّ مَا بَيْنَ الْاُفُقِ

(صحيح البخاری' كتاب بدء الخلق' باب ذكر الملائكة)

جناب عونؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت قاسمؒ (بن محمد بن ابی بکرؓ) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: ''جس کسی کا یہ خیال ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے تو اُس نے بہت بڑا جھوٹ بولا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ کو ان کی اصل صورت میں دیکھا تھا کہ ان کی ہستی پورے افق کے مابین چھائی ہوئی تھی۔''

(٥) حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِي قَالَ: سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ قَالَ: اَخْبَرَنِي ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَاٰى جِبْرِيْلَ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة۔ وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب في ذكر سدرة المنتهى)

ہمیں شیبانیؒ نے بتایا کہ میں نے زِر بن حبیشؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا کہ (ترجمہ) ''یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا''۔ تو انہوں نے کہا: ''مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے۔''

معراج میں نماز کی فرضیت سے متعلق ایک روایت سے اقتباس

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ اَبُوْذَرٍّ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فُرِجَ سَقْفُ بَيْتِيْ وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ..... قَالَ: (ﷺ): ((فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى عليه السلام فَاَخْبَرْتُهٗ، قَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ، قَالَ: فَرَاجَعْتُ رَبِّيْ، فَقَالَ: هِيَ خَمْسٌ، وَهِيَ خَمْسُوْنَ، لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، قَالَ: فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَقُلْتُ: قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّيْ .....)) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الاسراء و كتاب احاديث الانبياء و كتاب التوحيد۔ وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله ﷺ الى السماوات وفرض الصلوات)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت میں شگاف ہوا اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں

اس کے بارے میں بتایا"۔ انہوں نے کہا: "اپنے رب کے پاس واپس جایئے' کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی"۔ آپ نے فرمایا: "میں پھر اپنے رب کے پاس واپس گیا' تو رب تعالیٰ نے (نمازوں کی تعداد پانچ معین کرتے ہوئے) فرمایا: "یہ (اگرچہ) پانچ ہیں' مگر (ثواب کے لحاظ سے) پچاس ہی ہیں' میرے ہاں قول تبدیل نہیں ہوا کرتا"۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر مجھے اپنے رب کے پاس واپس جانے کو کہا۔ مگر میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے....."

سدرۃ المنتہیٰ کی کیفیت اور معراج کے تین تحفے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: لَمَّا اُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ انْتُهِیَ بِهٖ اِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی' وَهِیَ فِی السَّمَاءِ السَّادِسَةِ اِلَیْهَا یَنْتَهِیْ مَا یُعْرَجُ بِهٖ مِنَ الْاَرْضِ فَیُقْبَضُ مِنْهَا' وَاِلَیْهَا یَنْتَهِیْ مَا یُهْبَطُ بِهٖ مِنْ فَوْقِهَا فَیُقْبَضُ مِنْهَا، قَالَ: ﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی﴾ قَالَ: فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: فَاُعْطِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثًا: اُعْطِیَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ' وَاُعْطِیَ خَوَاتِیْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ' وَغُفِرَ لِمَنْ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ مِنْ اُمَّتِهٖ شَیْئًا الْمُقْحِمَاتُ

(صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب فی ذکر سدرة المنتهٰی۔ وسنن الترمذی' ابواب التفسیر' باب ومن سورة النجم۔ وسنن النسائی' کتاب الصلاة' باب فرض الصلاة.....)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت (سفر معراج پر) لے جایا گیا تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ سدرہ تک پہنچتی ہے اور وہاں سے لے لی جاتی ہے اور اوپر سے جو چیز اتاری جاتی ہے وہ بھی یہیں تک آتی ہے اور یہاں سے لے لی جاتی ہے۔ اور سدرہ کے متعلق انہوں نے اس آیت کا حوالہ دیا: (ترجمہ) "اور سدرہ پر چھایا ہوا تھا جو کچھ بھی چھایا ہوا تھا"۔ اور کہا کہ وہ سونے کے پروانے ہیں۔ اور (سدرۃ المنتہیٰ پر) نبی ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں: (۱) پانچ نمازیں' (۲) سورۃ البقرۃ کی آخری آیات' اور (۳) آپ کی اُمت میں سے ہر اس شخص کے کبیرہ گناہ بھی معاف کر دیے گئے جس نے اللہ کے ساتھ کسی نوع کا شرک نہ کیا ہو۔"

مکتبہ خدام القرآن لاہور کی فخریہ پیشکش
بانئ تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
شخصیت' افکار و خیالات اور تحریکی جدوجہد
ایک یادگار انٹرویو
اب کتابی صورت میں چھپ کر آ گیا ہے
داعی قرآن کی شخصیت اور افکار سے آگاہی کے لیے...... مطالعہ کیجئے
دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ طباعت
قیمت 30 روپے
ملنے کا پتہ
مکتبہ خدام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501(042)

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ـــــ اور ـــــ **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ـــــ اور ـــــ **اعلیٰ علمی سطح**

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ـــ اور ـــ **غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی**

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ